الشیخ قاسم القرشی حیاتہ و منھجہ فی الدعوۃ

تذکرہ

رحمہ اللہ

حضرت مولانا قاسم قریشی

جنوبی ہند کے مبلغ عظیم، داعیٔ کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی سوانح حیات کے روشن باب اور دعوت و تبلیغ کی مروجہ مبارک محنت کی ابتدا، بانیٔ تبلیغ (حضرت جیؒ) کا مختصر سوانحی خاکہ، کرناٹک میں جماعتِ تبلیغ کی شروعات جیسے قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔

مؤلف

عزیر احمد مفتاحی قاسمی

استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم / بنگلور

جامعۃ القرآن بنگلور کرناٹک

نمبر ۸۲۵ یعقوب منزل عمر نگر چوتھی گلی عربی کالج پوسٹ بنگلور-45 موبائل نمبر: 8553116065

الشیخ قاسم القرشی حیاتہ ومنہجہ فی الدعوۃ

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں گا اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

تذکرہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ

جنوبی ہند کے مبلغِ عظیم، داعیٔ کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی سوانح حیات کے روشن باب اور دعوت وتبلیغ کی مروجہ مبارک محنت کی ابتدا، بانیٔ تبلیغ (حضرت جیؒ) کا مختصر سوانحی خاکہ، کرناٹک میں جماعتِ تبلیغ کی شروعات جیسے قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔

مؤلف

عزیر احمد مفتاحی قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

ناشر

مفتی محسن صاحب فاروقی

بھگت سنگھ نگر داونگرہ کرناٹک

حقوق الطبع محفوظة للمؤلف

نام کتاب	:	**تذکرہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب** رحمہ اللہ
مؤلف	:	عزیر احمد مفتاحی قاسمی
صفحات	:	۲۳۰
تاریخ طباعت	:	صفر المظفر ۱۴۳۸ھ/نومبر ۲۰۱۶ء
ناشر	:	جامعۃ القرآن، بنگلور، کرناٹک
موبائیل نمبر	:	08553116065
ای میل	:	abdulkhadarpuzair@gmail.com

الفہرس

عناوین	صفحہ
انتساب	۱۳
تمہید	۱۴
التقریظ: حضرت اقدس مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم	۱۷
التقریظ: حضرت اقدس مولانا محمد زین العابدین صاحب رشادی مظاہری دامت برکاتہم	۱۸
التقریظ: مفتی رفیق احمد صاحب دامت برکاتھم	۲۰
سوانحی خاکہ	۲۳
باب اول (دعوت وتبلیغ کی مروجہ مبارک محنت)	۲۴
دعوت وتبلیغ کی موجودہ محنت (مسلمان کو مسلمان بناؤ)	۲۴
حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اصول دعوت وتبلیغ	۲۸
یہ دعوت اصل سے قریب تر ہے	۴۰

بانی دعوت وتبلیغ کا سوانحی مجمل تذکرہ	۴۱
حضرت جی کا بچپن	۴۱
بیعت وتعلیم	۴۱
تدریس،شادی اور حج	۴۲
بنگلہ والی مسجد میں قیام	۴۲
دعوت وتبلیغ کی شروعات	۴۳
دعوت وتبلیغ کی موجودہ مبارک محنت کی ابتدا	۴۴
پہلی جماعت	۴۶
سولہ جماعتیں	۴۶
دعوت کا کام اوڑھنا بچھونا بن گیا	۴۷
دینی ماحول اور اسلامی رونق	۴۸
صحابہ سے تشبیہ	۴۸
ماحول بدل گیا	۴۹
حضرت جیؒ کے عزائم	۵۰
جزیرۃ العرب میں دعوت	۵۰
جماعت،اکابرین کے شہر میں	۵۱
دہلی میں کام کی مضبوطی	۵۲
جوڑ	۵۲
جماعت کا کام بڑھ گیا	۵۳

عظیم الشان اجتماع	۵۳
حضرت جی کی طبیعت خراب ہوگئی	۵۴
دعوت کے چند مقاصد	۵۴
طبیعت اور خراب ہوگئی	۵۶
علما کے وفود اور ان سے عہد	۵۶
مفتی اعظم شفیع دیوبندیؒ کی آمد	۵۷
حضرت جیؒ کی مفتی صاحب سے ملنے کی تڑپ	۵۷
دو فکر دو اندیشے لاحق ہیں	۵۸
یہ استدراج نہیں	۵۹
دوسری فکر	۵۹
گشت نہ ہونے سے ناراض ہو گئے	۶۰
کام کی ترقی اور حضرت جیؒ کا جذب وشوق	۶۰
ماحول کو اپنے تابع بناؤ	۶۱
بانی تبلیغ حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ کا مستقل معمول	۶۲
تصدیق ملفوظات حضرت جیؒ سے	۶۲
گشت کرنے والوں کو اہم نصیحت	۶۳
وفات وجانشینی	۶۳
حضرت جی اولؒ کا سراپا	۶۴
کام کہاں تک پہونچا تھا؟	۶۴

مولانا یوسف کاندھلویؒ کی جانشینی	۶۵
حضرت جی ثانی صنولابیہ بن گئے	۶۵
حضرت جی ثانی کا سوانحی خاکہ	۶۶
حضرت جی ثانی کی خوبیاں	۶۷
حضرت جی ثانی نے کام کو کہاں سے کہاں پہونچادیا	۶۹
حضرت جی ثانیؒ کا اندازِ بیان	۶۹
جماعتیں ہندوپاک کے ہرصوبے میں	۷۰
ہندوستان سے باہر عرب ممالک میں	۷۰
تحریک کواوج ثریاتک پہونچادیا (ایک ہم عصر کی شہادت)	۷۱
حضرت جی ثانیؒ کا حلیہ	۷۲
بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد	۷۳
مرکز نظام الدین کی مسجد کو ''بنگلہ والی'' کیوں کہتے ہیں؟	۷۴
بنگلہ والی مسجد کا قدیم نقشہ	۷۴
مدرسے توکلاعلی اللہ چلتے ہیں	۷۵
مدرسے میں فاقے	۷۶
اب فاقہ نہیں ہوگا	۷۷
کاشف العلوم کامخلصانہ مجاہدانہ ماحول	۷۸
کرناٹک میں تحریک دعوت وتبلیغ کی ابتداء	۸۰
کرناٹک میں کام کی ترتیب	۸۱

باب دوم	۸۳
حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ	۸۳
شہر رام نگرم کا جائے وقوع	۸۳
شہر رام نگرم سے چار مہینے کی پہلی جماعت	۸۳
مولانا کے آباء واجداد	۸۴
خاندانِ قریش	۸۴
قریش کی وجہ تسمیہ	۸۵
مولانا کی پیدائش	۸۷
مولانا کا خاندان	۸۷
ماں کا سایۂ شفقت اٹھ گیا	۸۷
دادی اور پھوپھی کی پرورش میں	۸۸
اسکول کی تعلیم	۸۸
مکتب کی تعلیم	۸۸
مولانا کے بڑے بھائی کی دوراندیشی	۸۸
باپ کی نظروں سے دور ہوگئے	۸۸
مدرسے کی تعلیم	۸۹
محنتی طالب علم	۸۹
اساتذہ سے والہانہ تعلق	۹۰
حضرت جی ثانیؒ کی خدمت	۹۰

مولاناؒ کے اساتذہ	۹۱
طالب علمی میں مجاہدہ	۹۱
مولانا کے درسی ساتھی	۹۲
مولانا کی فراغت	۹۲
تالیفات	۹۳
سال کی جماعت	۹۳
گاؤں کی جامع مسجد میں	۹۳
مولانا کی شادی	۹۳
مجلس نکاح میں اساطین امت	۹۴
مولانا کے خسر صاحب کی اولاد	۹۵
مولاناؒ کا پہلا اور دوسرا حج	۹۵
گھر کا ماحول	۹۶
مولانا کا مجاہدہ	۹۶
مولانا کی علالت طبعی	۹۸
خلد آشیاں کے لیے بے قرار	۹۹
مولاناؒ کے آخری لمحات	۱۰۰
غشی طاری ہوگئی	۱۰۱
مولانا کے جسد خاکی سے متعلق مشورہ	۱۰۲
مولانا سعد صاحب کا تعزیتی خط	۱۰۳

نماز جنازہ کا منظر	۱۰۵
تدفین کی کاروائی	۱۰۶
قبر میں اترنے والے مبارک احباب	۱۰۷
مولانا کا مدفن	۱۰۷
مولاناؒ کا حلیہ وسراپا	۱۰۸
مولانا کے اہل وعیال	۱۰۹
مولانا کے بچوں کے نام حضرت جی نے رکھے	۱۱۱
مولانا کا اپنے خاندان والوں کے ساتھ سلوک	۱۱۲
مولانا کے معمولات	۱۱۳
مدارس کی سرپرستی اور سنگ بنیاد	۱۱۵
مدینۃ العلوم رام نگرم کی تاسیس	۱۱۵
تبلیغی اجتماعات	۱۱۵
مولانا کا انداز بیان	۱۱۶
مولانا کے اخلاق	۱۱۶
دنیا سے بے تعلقی	۱۱۷
نمازوں کا اہتمام	۱۱۷
کرامت	۱۱۸
مولاناؒ کی ایک اور کرامت	۱۱۹
روحانی قوت	۱۱۹

بے نفسی	۱۱۹۰
وقت کی پابندی	۱۲۰
مولاناؒ کوخلافت ملی	۱۲۱
علما کا احترام	۱۲۲
مولانا کی قابل تقلید خوبیاں	۱۲۳
مشورے کی پابندی	۱۲۳
جہد مسلسل	۱۲۴
مولانا کی ایک عادات	۱۲۵
سب کی فکر کرتے تھے	۱۲۵
نمازوں کے وقت سونا ممنوع سمجھتے تھے	۱۲۶
سوڈان میں دعوت وتبلیغ کا احیاء	۱۲۶
مولانا دعوتی صفات کے حامل تھے	۱۲۷
مولانا کے دعوتی اسفار	۱۲۷
پچپیس مما لک سے تعزیتی پیغامات	۱۲۷
مولانا کی ہمہ جہت شخصیت	۱۲۸
تنازع کے فیصلے	۱۲۸
مولانا کی عدل پسندی	۱۲۹
ہر مسلمان سے دلی محبت	۱۳۰
مولانا کی خواہش	۱۳۱

مولاناؒ کی ایک مبارک عادت	۱۳۱
آج بھی مولانا زندہ ہیں	۱۳۲
باب سوم: مضامین	۱۳۴
(آہ! حضرت مولانا قاسم قریشی ....مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سر فرازی ۔۔حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم)	۱۳۴
(.داعی کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی اللہ کے یہاں حاضری) قاضی محمد ہارون صاحب رشادی مدظلہ.	۱۴۳
خاموش ہو گیا چمن بولتا ہوا ....خلیل الرحمٰن قاسمی برنی صاحب	۱۴۷
مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی حیات کے منور باب ۔۔ایوب خان افضل صاحب رام نگرم..	۱۵۴
داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد قاسم قریشی صاحبؒ کی رحلت ...علم وعمل کا ایک سورج غروب ہوگیا........ارشاد احمد بنگلوری	۱۵۷
مولانا کے لیل ونہار	۱۸۲
سالار کی رپورٹ کے مطابق امیر شریعت مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتھم کا بیان	۱۸۳
راجیہ سبھا ممبر کے عبدالرحمٰن خان صاحب کا بیان	۱۸۴
ایک اخبار کا تراشا	۱۸۴

کچھ یادیں کچھ باتیں ۔۔حضرت مولانا ریاض صاحب دامت برکاتھم امام وخطیب مرکز سلطان شاہ و مہتم مرکز سلطان العلوم بنگلور	۱۸۵
داعی کبیر کی قابل رشک زندگی ۔۔ حضرت مولانا ایوب صاحب رحمانی دامت برکاتھم	۱۹۶
دعوت وتبلیغ میں مولانا کی تیز رفتاری ۔۔حضرت امیر شریعت مفتی محمد اشرف علی صاحب باقوی مدظلہ	۲۰۸
باب چہارم: منظوم اظہار تعزیت	۲۲۴
محمد تنویر شمس صاحب: ایسا قاسم کب ملے گا پھر یہاں تیرے بغیر	۲۲۴
مرثیہ	۲۲۶
حافظ سراج الدین: راہ خدا کا مرد مجاہد چلا گیا	۲۲۹
آج دنیا کی وہ رونق اور بہجت کیا ہوئی	۲۳۱

انتساب

کتابوں کو شخصیات اور اداروں کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ مگر اکثر کتابوں میں یہ چیز نہیں ہے۔ لیکن میری دلی آرزو یہ ہے، کہ میں اپنی اس مختصر سی کاوش کو اپنے کرم فرما، مشفق و مہربان شخصیات کی طرف منسوب کردوں، جن سے میں نے کسی بھی طرح کا استفادہ کیا ہے

مرشدی و مولائی حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب ادام اللہ ظلہ (خلیفہ حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ) و مفتی اشفاق حمید صاحب پرتاب گڈھی (عافاہ اللہ) اور حضرت اقدس مولانا اشتیاق احمد صاحب دامت فیوضہم (خلیفہ شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ) کے نام، جنھیں دیکھتا ہوں یا جب بھی ان کا خیال آتا ہے، تو دل میں شوق انگڑائی لینے لگتا ہے کہ مجھے بھی کچھ کرنا ہوگا۔

مشفق و مکرم والدین پاکتنی محمد یعقوب صاحب رحمہ الباری و پیر نسیم النسا ادام اللہ ظلالہا کے نام جنھوں نے نانا جان پیر محمد زکریا صاحب ثقی اللہ ثراہ کی ایماء مجھے اسکول سے نکال کر مدرسے کو بھیج دیا۔

ماموں جان پیر محمد الیاس صاحب مدظلہ و پیر محمد یوسف صاحب مدظلہ و پیر محمد ادریس صاحب مرحوم جنھوں نے ہمیشہ شفقت، ہمدردی اور تعاون کا معاملہ فرماتے رہے۔

اساتذہ ''دارالعلوم سبیل الرشاد'' اور اس سے ملحقہ مکتب و اسکول، اساتذہ ''دارالعلوم سواء السبیل، کیا لنور''، اساتذہ ''مفتاح العلوم، میل وشارم''، جن کی آغوش میں زندگی کے کچھ پل بتانا نصیب ہوا۔ ''الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور'' کے اساتذہ و طلبا اور اس کی عظیم لائبریری کے نام۔

مادر علمی ''دارالعلوم دیوبند'' اور اس سے نسبت رکھنے والوں کے نام، جنھوں نے برِ صغیر میں

اسلام کی پاسبانی کی اور کر رہے ہیں۔

تمہید

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت اقدس مولانا قاسم قریشی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے ،اور حضرت والا کو شاید کوئی جماعت کا فرد ہو جو نہ جانتا ہو،حضرت نے اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے تقاضوں کو پوار کرنے میں صرف فرما دیا،کرناٹک ٹمل ناڈو اور آندھرا پردیش اور پورے جنوبی ہند کے داعی کبیر اور امیر جماعت تھے،مولاناؒ کی جدائی پر ہر ایک اندوہ وغم میں ڈوبا ہوا،بے حد مہجور و مغموم خستہ دل اور شکستہ خاطر،افسردہ ونڈھال،سوز والم کا آتش دان بنا ہوا ہے،مولاناؒ کے جمال جہاں آراء کی برکت وتابش سے مرکز سلطان شاہ بنگلور کرناٹک کی ہر صبح ان کے لیے حسین اور ہر شام پر کیف ودل آویز تھی۔

فکر الیاسی دعوت یوسفی،تدبر انعامی ،کا حسین امتزاج، دعوت کی حسین انگوٹھی کا نگینہ تھے،عبدیت وانابت کے سوز وساز سے مزین ومرصع ،لذت سحر خیزی ذوق عبادت وشوق ریاضت،محبت وشفقت،لینیت ونرمی،حلم وبردباری، عجز وانکسار،عفو ودرگذر کا عظیم پیکر تھے.

مولانا کے وفات کے بعد جب مولانا کی زندگی پر کچھ احباب نے مضامین اخباروں اور واٹس اپ پر بھیجنا شروع کیا تو حضرت مولانا کی زندگی کے کئی سارے گوشے جواب تک پردۂ خفا میں تھے ظاہر ہونے لگے،جب میں ان کو جمع کرنے لگا تو ایک اچھا خاصا مواد جمع ہو گیا ،اسی کی ترتیب کو کچھ ادل بدل کر اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر میں عناوین کے سانچے میں

ڈھالنے لگا تو یہ مختصر سا کتابچہ اور تذکرہ تیار ہو گیا، امید ہے کہ اللہ تعالی اس کو میرے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائیں گے۔

جنوبی ہند میں بڑے بڑے علما پیدا ہوئے اور بڑے کارنامے انجام دئے؛ لیکن افسوس ہے کہ ان کی سوانح کسی نے مرتب نہیں کی؛ اور جو مرتب ہوئے وہ ممعدودے چند ہیں، ہم لوگوں کی جو جنوبی ہند کے باشندے ہیں بڑی کمزوری بلکہ صحیح لفظوں میں کوتاہی ہے کہ ہم اپنے علاقوں کے اکابر واسلاف کے کارناموں اور قربانیوں کی تاریخ محفوظ نہ رکھ سکے اور نہ ہی اس کو محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام؛ بلکہ عموماً جذبہ وشوق ہی رکھتے ہیں۔

رفیق محترم مولانا جاوید صاحب چامراج نگری (استاذ جامعہ مسیح العلوم) نے حضرت اقدس مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم کے حوالے سے بیان کیا کہ" جنوب میں خفا ہی خِفا ہے۔سینکڑوں بڑی بڑی شخصیات گذری ہیں اور ہم کو پتہ بھی نہیں ہے"۔ پھر حضرت اقدس نے یہ کام مولانا موصوف کے حوالے کیا ہے، مولانا اپنی مسلسل مصروفیت کے ساتھ حسب مقدور کام آگے بڑھا رہے ہیں، کچھ دن پہلے بتایا تھا کہ وہ چند شخصیات کے حالات جمع کر چکے ہیں ۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ کام کو جلد از جلد تکمیل تک پہونچائے۔آمین

مستند مورخ شیخ اکرام صاحب مرحوم نے بھی آب کوثر میں جنوبی ہند سے متعلق آٹھ آنسو روئے ہیں وہ لکھتے ہیں" جو اگر صحیح ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑے بہت مسلمان اس زمانے میں بھی دکن کے اندرونی شہروں میں موجود تھے،اس طرح کے آثار اور بھی کئی جگہ ہوں گے جنھیں حوادث کے دست برد نے صفحۂ زمانہ سے محو کر دیا، یا جواب گوشۂ تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں اور اس وقت تک چھپے رہیں گے جب تک مقامی تعلیم یافتہ

مسلمان اپنی قدیم تاریخ میں دلچسپی لےکران کے حالات سے پردہ نہ اٹھائیں گے“

(آب کوثر، بعنوان دکن میں اشاعت اسلام،ص ۳۵۷)

ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو محفوظ کریں ،کم ازکم اپنے علاقے کے علماء ومشائخ اوران کے کارناموں اگر ہم محفوظ رکھنے کی کوشش کرے تو یہ ہمارے لئے دنیا وآخرت دونوں جگہ سرخروئی کا سبب ہوگا۔

ہم یہاں پر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کے لیے ہر جگہ مولانا کا لفظ استعمال کریں گے، کیوں کہ تبلیغی احباب مطلق مولانا کے لفظ سے حضرت کی ذات مراد لیتے تھے ،اور دیگر علما کے لیے مولانا کے ساتھ ان کا نام جوڑ کر یاد کرتے ہیں،اسی کے مطابق ہم نے بھی حضرت کے لیے مولانا کا لفظ ہر جگہ استعمال کیا ہے اور کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے، باب اول تبلیغ ،دوم سوانح ،سوم مضامین، باب چہارم منظوم اظہار تعزیت ہے۔

میں ان تمام حضرات کا شکر گذار ہوں جنہوں نے مولانا کے لیے نظم ونثر میں تعزیتی کلمات پیش کرتے رہے خصوصا مرشدی ومولائی حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم ،وحضرت مولانا زین العابدین صاحب دامت برکاتھم ،ومفتی رفیق صاحب جنہوں نے میری اس حقیر کاوش پر اپنی قیمتی تقریظات عنایت فرمائیں اور میرے رفیق درس مفتی خلیل احمد صاحب قاسمی بلندشہری، قاضی ہارون صاحب رشادی دامت برکاتھم ،مولانا ایوب خان افضل صاحب مقیم جدہ، لکچرار حاجی ارشاد احمد صاحب مدظلہ،اور جناب تنویر شمس صاحب زید مجدہ کا بہت ممنون ومشکور ہوں ان کے مضامین سے مجھے بہت مدد ملی نیز رفیق درس مفتی حسین قریشی صاحب اوران کے بھائیوں سے بھی کافی معلومات حاصل ہوئی اللہ تعالی سے دعا ہے اللہ تعالی ان تمام کو بہترین اجر عطا فرمائے۔آمین

عزیر احمد قاسمی یکم محرم ۱۴۳۸ھ مطابق ۳/اکتوبر/۲۰۱۶ء

التقریظ

حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم

(شیخ الحدیث، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور، کرناٹک
وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کی گوناگوں کمالات کی حامل شخصیات ر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جاسکتی ہے؛ لیکن خصوصیت کے ساتھ ان کا ''جماعت تبلیغ'' کے ساتھ ربط وتعلق اوراس کے ذریعے دینی وتبلیغی جدجہد اوراس کے لیے مختلف ممالک اور علاقوں اور ملک کے گوشوں کے طول طویل اسفار اوراس کے لیے بے پناہ مجاہدہ وصبر وتحمل آپ کی زندگی کے نمایاں خطوط ہیں۔

زیرِ نظر تحریر میں مولانا عزیر احمد صاحب نے مولانا کی زندگی کے عمومی نقشے کے ساتھ اس خاص پہلو کو نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، دینی پیشواؤں اور مذہبی رہنماؤں کی زندگی دوسروں کے لیے اسوۂ حسنہ ونمونۂ عمل ہوتی ہے، اس لیے اس تذکرے سے امید ہے کہ لوگوں کو رہبری ملے گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اوراس تذکرے کو سب کے لئے مفید بنائے، مولانا عزیر احمد ساحب کی اس خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے۔ فقط

(حضرت اقدس مفتی) محمد شعیب اللہ خان (صاحب دامت برکاتھم)

التقریظ

حضرت اقدس مولانا محمد زین العابدین صاحب دامت برکاتھم

(مہتمم دارالعلوم شاہ ولی اللہ، بنگلور، کرناٹک

وخلیفہ حضرت اقدس شیخ شاہ یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیرِ نظر رسالہ ''تذکرہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ '' کو احقر نے اول تا آخر پڑھا، ایسا محسوس ہوا مولانا عزیر احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور نے بڑی عرق ریزی اور جد جہد سے کام کیا ہے، مولانا رحمہ اللہ کے بچپن سے لے کر وفات تک کے واقعات مستند طور سے باحوالہ درج فرمائے ہیں نیز دعوت کی مبارک محنت سے متعلق اور بانی دعوت سے متعلق بھی بڑا عمدہ کام کیا ہے؛ لیکن مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کی ذات گرامی سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے مولانا اس سے بھی آگے اور بہت سارے کمالات وخوبیوں کے مالک تھے اور مولانا کے مکمل حالات کا احصاء ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ،مولانا کی طویل جد وجہد اور تبلیغی سرگرمیوں والی زندگی کے ہزاروں واقعات دیکھنے والوں نے دیکھا ہے، سننے والوں نے سنا ہے اور آج بھی لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے سب کو جمع کرنا ناممکن ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کی وجہ سے کرناٹک میں تبلیغی کام کو جماؤ نصیب ہوا اور مولانا نے پوری زندگی اسی کام کی مضبوطی اور اشاعت کے لیے دور دراز کے اسفار کیے ہفتے ہفتے، مہینے مہینے گھر کے باہر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے اور مولانا کی اہلیہ محترمہ بھی اتنی باکمال اور پرہیزگار خاتون ہیں کہ اپنے شوہر کو اس راستے کے لیے مکمل طور سے قربان کر دیا تھا اور اپنی تمام اولاد کو اعلی دینی تعلیم سے آراستہ کرتے ہوئے راہ خدا کے لئے وقف کر دیا ہے۔

اللہ تعالی مؤلف گرامی کو اس تذکرے کی برکت سے علم وعمل، صلاح وتقوی اور تما دینی ودنیوی بہبودی سے مالا مال فرمائے اور مؤلف گرامی کے ساتھ تمام امت مسلمہ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور صاحب تذکرہ رحمہ اللہ کی زندگی اور حالات سے خوب فایدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے

فقط

(حضرت اقدس مولانا) محمد زین العابدین (صاحب دامت برکاتھم)

۲۳ رمحرم /۱۴۳۸ھ

التقریظ

حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب دامت برکاتھم (استاذ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور)

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص: ۵۶)

ایمان و ہدایت کامل جانا صرف اور صرف توفیق الٰہی پر موقوف ہے پوری کائنات اپنے تمام تر ذرائع اور وسائل روبہ عمل لانے کے باوجود کسی کو ایمان وہدایت سے سرفراز نہیں کرسکتی؛ جب تک کہ حق جل مجدہ کی توفیق شامل حال نہ ہو، بعینہ اسی طرح ایمان وہدایت کے لیے جدوجہد کی کوشش کرنے کے لیے توفیق الٰہی کامل جانا بھی عنایت ربانی ہی سے ہوسکتا ہے پھر اس عمل میں صدق واخلاص کا پیکر بن کر مداومت کے ساتھ اپنا مشغلہ بنائے رکھنا بھی عطیۂ الٰہی ہی سے میسر ہوسکتا ہے ،کام لینے والی ذات اللہ کی ہے،اس کے لیے کوشش کرنا ہمارا کام ہے،ہم صدق دل سے دعا کرتے رہیں "**اللھم اھدنا واھدِبنا واھد النا س جمیعا وجعلنا سببا لمن اھتدی** "اے اللہ مجھے ایمان پر قائم رکھ! مجھے ایمان کی طرف آنے کا ذریعہ بنا اور سب لوگوں کو بھی ہدایت دے،اورلوگوں کی ہدایت کا مجھے ذریعہ بنا۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کہ بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ ابتدائی زمانے میں انھوں نے ڈاکٹروں کو جمع کیا اور کہا کہ آپ حضرات کو اللہ کے

راستے میں نکلنا چاہیے،ترغیب کے باوجود مجمع میں سے کسی نے نام نہیں لکھایا،حضرتؒ پر درد اور تڑپ کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جسے دیکھ کر مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک ڈاکٹر صاحب نے اپنا نام لکھوا دیا،کسی نے پوچھا جماعت میں نکلنا ہی تھا تو نام لکھانے میں اتنی تاخیر کیوں کی؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ: میں امراض قلب کا ماہر ڈاکٹر ہوں ،اب مولانا کی دل کی کیفیت یہ ہوگئی ہے کہ اگر کوئی نام نہ لکھاتا تو ان کی حرکت قلب بند ہو سکتی تھی۔

(ماخوذ الفرقان لکھنو بابت ستمبر ۲۰۱۶)

ملت کے لیے ان کی اس تڑپ نے ان کی دعوت وتحریک کو جس حد تک کامیاب بنایا اسکی نظیر ومثال نادر الوقوع ہے،اسی تڑپ وکڑھن کی بدولت اللہ تبارک وتعالی نے ایسے افراد پیدا کیے؛ جنھوں نے آپ کے طریقے کو قبول فرما کر امت کو ایمان وعقائد،عبادات وریاضت ،اخلاق ومعاملات اور فکر آخرت کی درستی پر لگایا ''سید خلون جھنم دا خرین'' کے مستحقین کو لھم اجر کبیر کا مصداق بنایا۔

من جملہ ان باصفا ہستیوں میں سے ایک داعی کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ بھی ہیں،آپ کے اندر حقیقی معنی میں دعوت دین کی تڑپ اور کھڑن تھی ،اخلاص وللّٰہیت تھا ''ان تلق اخاک بوجہ طلیق'' کا مصداق تھے،سادگی وشائستگی تھی ،ہر انسان سے بلاتکلف ملاقات وگفتگو فرماتے تھے،ہر وارد وصادر کو کچھ نہ کچھ دین وعمل کی تلقین فرماتے ،کوئی رائے ومشورہ لیتا تو مفید ومؤثر اور نافع مشورے سے نوازنا آپ کی عادت رہی۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں جہاں دیدہ ہونے اور متفقہ شخصیت ہونے کے باوجود اہل علم واہل صلاح وتقوی کے قدر دان تھے،آں موصوف کے دو صاحب زادے مفتی طاہر وطیب احقر کے دارالعلوم دیوبند میں رفیق درس بھی رہے،حضرت مولانا کی تاریخ وسیرت اور دعوت وتبلیغ کے نمایاں گوشوں کو جامعہ مسیح العلوم کے استاذ گرامی حضرت مولانا عبد القادر عرف عزیر ساحب نے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے،احقر سے گذارش کی کہ موصوف کی اس کاوش گراں قدر پر کچھ تبصرہ وتذکرہ کروں! اس لیے احقر نے چند باتیں عرض کی ہیں۔

باری تعالی سے دعا ہے کہ آن جناب کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور تا قیامت حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کے احوال وکوائف کو پڑھ کر امت کو نفع بہم پہونچائے آمین یارب العالمین۔

خادم التدریس والافتا جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور
مفتی (محمد رفیق) صاحب دامت برکاتھم

داعی کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ

سوانحی خاکہ

پیدائش: بتاریخ ۲۵/ مارچ ۱۹۴۶ء

مقام پیدائش: رام نگرم

والد: محترم جناب محمد غوث قریشی صاحب مرحوم

والدہ: محترمہ دستگیر بی صاحبہ مرحومہ

خاندان: کل دس بھائی بہن

اولاد: ۸ لڑکے اور ۳ لڑکیاں

تعلیم: پرائمری اسکول، ہائی اسکول اور کاشف العلوم میں مکمل عالمیت

مصروفیت: سینکڑوں مدارس کی سرپرستی، اور دعوت وتبلیغ کی سرگرمیاں

تاریخ وفات: بروز ہفتہ بعد نماز عصر بتاریخ ۱۷/ شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳/ جولائی ۲۰۱۶ء

مدفن: دار العلوم شاہ ولی اللہ، حاجی عبد الرزاق صاحب کے جوار میں، ٹیانری روڈ قبرستان بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

دعوت وتبلیغ کی مروجہ مبارک محنت

مولانا رحمہ اللہ کا خصوصی تعلق دعوت وتبلیغ سے تھا بلکہ مولانا رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی اسی محنت کی آبیاری اور پروان چڑھانے کے لئے وقف کردیا تھا،مولانا رحمہ اللہ علمیت سے فراغت کے بعد کسی مسجد میں امام ہوں یا کسی مدرسے کے مدرس بنے ہوئے اس کی کوئی اطلاع نہیں ہے زندگی کا پورا حصہ اسی محنت میں صرف ہوا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کرناٹک میں اس محنت کی ابتداء کیسے ہوئی، کچھ خاکہ ہمارے سامنے رہے تو مولانا کی محنت سے دعوت کا کام آج کس شکل میں ہے اور کتنی زیادہ اس میں ترقی ہوئی ہے سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

دعوت وتبلیغ کی موجودہ محنت (مسلمان کو مسلمان بناؤ)

موجودہ دعوت وتبلیغ جس کا اپنا مضبوط،مرتب مربوط نظام ہے،جس میں تین دن کی جماعت،عشرے کی جماعت، چلہ کی جماعت،سال کی جماعت،مرکز نظام الدین میں دو مہینے کی ترتیب،اور مستورات کی جماعت وغیرہ ایک اصلاحی،دعوتی ،تبلیغی نظام ہے،جو قران وسنت اور سلف صالحین کے اعمال ومعمولات سے ماخوذ ہے ،جس کے اندر مسجد کی چہار دیواری میں ایک امیر کی فرماں برداری،مشورے کی تابعداری اور رات کی آہ وزاری کے ساتھ اپنی زندگی کو

سنوارنے کی محنت اور دیگر مسلمانوں کو بھی اس میں شامل ہونے کی فکر اور دعوت دی جاتی ہے۔

جماعت سے منسلک اور اس کے پلیٹ فارم سے کام رکھنے والے احباب کو چھ باتوں کو اپنی زندگی میں لانے اور اس کا مذاکرہ اور دعوت کی تربیت دی جاتی ہے نیز چھ باتوں سے ہٹ کر دوسری باتوں میں جانے سے سختی سے منع بھی ہے اور چھ باتوں کے علاوہ دوسری باتوں کا موضوع صرف علمائے کرام کا حق سمجھتی ہے۔

چھ باتوں کو چھ نمبر بھی کہتے ہیں پہلا ،کلمہ توحید، دوسرا نماز، تیسرا علم وذکر، چوتھا اکرام مسلمین، پانچواں اخلاص نیت، چھٹا تفریغ وقت۔

یہ چھ نمبر پورا دین بھی نہیں اور اس کے بغیر بھی دین نہیں ہے، ان نمبروں پر چلتے رہنے، عمل کرتے رہنے اور دعوت دیتے رہنے سے پورے دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔

جماعتوں میں نکل کر مذاکرہ، دعوت، اور تشکیل سے دوسروں کو جماعتوں میں نکال کر چھ نمبروں کی محنت اور دعوت چلائی جاتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی حلقے ،قران وتجوید کے حلقے ،گشت، مذاکرے اور تشکیلیں کرتے ہیں ،اس مختصر سی محنت کے نتیجے میں لاکھوں اور کروڑوں نہیں ؛ بلکہ اربوں مسلمانوں کو فائدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے۔

اس جماعت کے اصول بھی نہایت باریک اور سخت ہیں اور کام جیسا جیسا بڑھتا گیا اس کے اصولوں میں بھی اضافے ہوتے چلے گئے، اس کام کو سمجھنے اور اصولوں کو جاننے کی سب سے آسان اور بہترین شکل یہ ہے جماعت میں نکل جائے

،اس کے علاوہ حضرت جی اول حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ ،حضرت جی ثانی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سعید احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے مکاتیب ،ملفوظات اور بیانات ہیں جن میں بڑی بسط و تفصیل سے اصول بکھرے ہوئے ہیں ، یہ ایک مستقل موضوع ہے اور یہ کام جتنا اہم اور نازک ہے اس کے اصول بھی اتنے ہی اہم اور نازک ہیں۔

اس تحریک میں نہ فضول خرچہ ہے نہ چرچا ہے اور نہ پرچہ ہے بس اس میں مسلمان کا ہر گھر اور ہر فرد ہی محنت کا میدان ہے اور کچھ نہیں۔افراد سے گھر بدلتا ہے اور گھر سے خاندان بدلتا ہے اور خاندان سے قبیلے بدلتے ہیں، پھر گھر سے پڑوسی بدلتے ہیں اور پڑوسیوں سے پورا محلّہ بدلتا ہے اور محلّہ سے معاشرہ بدلتا ہے معاشرے سے خاندان بدلتے ہیں، پھر محلے سے گاؤں بدلتا ہے اور گاؤں سے تعلقہ بدلتا ہے اور تعلقے سے ضلع بدلتا ہے اور ضلع سے صوبے اور صوبے سے پورا ملک بدلتا ہے اور پورے ملک میں ہر جگہ سو فیصد دین پر چلنے والے پیدا کرنا اس جماعت کا عظیم مقصد ہے (اللہ اس جماعت کو نظر بد سے بچائے اور جماعت کو شروع کرنے والوں اور اس کو پروان چڑھانے والوں نے جس جذبے اور اخلاص وللّٰہیت سے کام کیا اسی طرح سب کو کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے)

منظور نعمانی رحمہ اللہ (جنہوں نے حضرت جی اول رحمہ اللہ وثانی رحمہ اللہ کی صحبت اٹھائی اور اس تحریک میں ان کا ہاتھ بھی بٹاتے رہے اور ان کیحیات میں ملفوظات ومکاتیب کو محفوظ کیا اور وفات کے بعد ان کیحالات وکارناموں کو مرتب کیا اور ایک ایسا اہم تاریخی مستند و معتبر دستاویز کو

چھوڑا؛ جو مستقبل کے مؤرخ، مفکر، اہل قلم کو اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ اللھم متعنا بہ وبھم) نے تبلیغی جماعت کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "تبلیغی تحریک جہاں اور بہت سی باتوں میں زمانے سے جدا انداز رکھتی ہے وہاں اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ رہنما شخصیتوں کی اہمیت اگرچہ عملاً سب جگہ سے زیادہ؛ مگر اندرونی وابستگی تمام تر دعوت کے ساتھ اور اس کا اندازہ صرف اس چھوٹی سی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ کسی تبلیغی اجتماع میں کوئی بڑی سے بڑی شخصیت بھی آرہی ہو تو نہ اس کے نام سے لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ خطاب سے پہلے اسے مجمع سے متعارف کرادیا جائے، بس دعوت ہی سے اجتماع کا آغاز اور دعوت ہی پر ختم۔ کس نے دعوت دی اور کس نے تقریر کی اس کو اگر جاننا چاہے تو اپنے آپ جانے، اس تحریک کا یہی وہ خالص دینی مقصدی مزاج ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا کی شخصیت گذر گئی اور اپنی عملی اہمیت کے لحاظ سے دلوں میں زخم چھوڑ گئی ؛مگر عین اس وقت بھی جب کہ ان کا (حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ) جنازہ لاہور سے آیا ہوا تھا ذکر وفکر صرف اس دعوت کا تھا جس پر مولانا نے اپنی زندگی نثار کی، نہ کہ مولانا کے کمالات ومجاہدات کا۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ ص:۸)

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مروجہ تبلیغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "حکیمانہ دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے، اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی

ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان ،نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے،حق ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن پاک کی یہ ندا:۔

یَآَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا(النساء۱۳۶)

اے مسلمانو! مسلمان بنو!

کو پورے زور شور سے بلند کیا جائے ،شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے ،اوراس راہ میں وہ جفاکشی وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوتِ مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیادار لوگ دنیا کے عز و جاہ اور حصولِ طاقت میں صرف کررہے ہیں،جس میں حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لیے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے کوشش سے کشش سے ،جان و مال سے ،ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

(ماخوذ از مولانا الیاس رحمہ اللہ اوران کی دینی دعوت،ص:۲۵)

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اصول دعوت و تبلیغ

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ انبیاء کے اصولِ دعوت کو بیان کیا ہے اسی کو ہم تلخیص کے ساتھ یہاں پیش کرتے ہیں

(۱) پہلا اصول: مبلغ کی پاکیزہ زندگی،خلق سے بے نیازی،اخلاص وللّٰہیت اور مخلوق کے ہر اجر سے استغنا و بے نیازی۔

انبیاء علیھم السلام کے اصول دعوت کی بنیادی چیز یہی ہے کہ وہ اپنے کام کی اجرت ومزدوری کسی مخلوق سے نہیں چاہتے وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(النمل)

یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ

(یس ۱۵ ۲)

اے میرے لوگو! ان پیغمبروں کی پیروی کرو، ان کی پیروی کرو جو تم سے مزدوری نہیں چاہتے اور راہ ہدایت پائے ہوئے ہیں

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی دعوت کی کشش اور تاثیر، دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے مخلوق کے ہر اجر سے استغنا و بے نیازی اور ان کی ذاتی پاکیزہ زندگی یعنی مبلغ کی پاکیزہ زندگی اور خلق سے بے نیازی اور اخلاص وللّٰہیت ان کی تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔

(۲) دوسرا اصول: بندگان الٰہی پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کا جذبہ

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اصول دعوت کی بنیادی چیز میں بندگان الٰہی پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے، بندوں کے اس تباہ حالت کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے اور خیر خواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے ٹھیک اس طرح جس طرح باپ بیٹے کی اصلاح اور رشد وہدایت کا طالب محض پدرانہ شفقت اور خیر خواہی کی بنا پر ہوتا ہے، اسی طرح مبلغ اور داعی کے اندر بھی یہی جذبہ ہو، دینی خیر خواہی اور مسلمانوں پر رحمت وشفقت کی تاثیر اس کے دل

کو بے چین رکھے۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنی امت کو کہتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ.

(اعراف ۶۸۵)

اے میرے لوگو! میں بے وقوف نہیں؛ لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں ، میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہونچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام اپنی امت کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ .

(اعراف: ۷۹۵)

اے میرے لوگو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہونچادیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی ؛ لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو نہیں چاہتے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب ان پر گمراہی کی تہمت لگائی تو فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ

(الاعراف: ۶۲)

اے میرے لوگو! میں بہکا نہیں ہوں ؛ لیکن پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہونچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔

حضور ﷺ کے تبلیغی احوال و کیفیات کا ذکر قرآن پاک میں جگہ جگہ ہے ،حضور ﷺ کو امت کا کتنا غم تھا، ایسا غم جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جارہی تھی۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ

(الم نشرح:۳)

کیا ہم نے تمہارے سینے کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتارلیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور ﷺ کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا اللہ تعالی نے تسلی دی اور فرمایا:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ

(الشعراء :۳۵)

کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا

(الکھف:٦)

تو کیا آپ ان کے پیچھے اگر وہ ایمان نہ لائیں اپنی جان افسوس کر کے گھونٹ ڈالیں گے۔

اسی رحمت اور محبت کا اقتضا تھا کہ آپ ﷺ پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق

گذرتی تھی اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر خواہی کا دروازہ ان پر کھل جائے۔

لَقَدْ جَآئَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

(التوبة:۱۲۸)

تمہارے پاس تمھیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہارا تکلیف میں پڑنا شاق معلوم ہوتا ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں پر مہربان اور رحیم ہے۔

(۳) تیسرا اصول: نرمی سہولت، آہستگی، دانشمندی، سلجھا ہوا سنجیدہ گفتگو

مبلغ کو چاہئے کہ نرمی سہولت، آہستگی، دانشمندی، سلجھا ہوا سنجیدہ گفتگو کرے جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص ومحبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اتر جائے، فرعون جیسے خدائی کے مدعی کے پاس حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم نبی بھیجے جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا

(طه:۴۴)

تم دونوں (حضرت موسی علیہ السلام و ہارون علیہ السلام) فرعون سے نرم گفتگو کرنا۔

منافقین نے اسلام کو نقصان پہونچانے اور آپ کے توحید ورسالت کے پیغام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا:

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا

(النساء:۶۳)

آپ ان سے درگذر کیجئے اوران کونصیحت کیجئے اوران سے ان کے معاملے میں ایسی بات کیجئے جوان کے دل میں اتر جائے۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ جب منافقوں سے نرمی اورسہولت اور دل میں گھر کرنے والی بات کا حکم ہے تو عام نادان مسلمانوں کوسمجھانے اور بتانے کا طریقہ کیسا ہونا چاہئے، ایک جگہ پر ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَاَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ

(النحل:۱۲۵)

آپ نے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانش مندی اوراچھی نصیحت کے ذریعے سے دعوت دیں اور بحث ومباحثہ کریں تو وہ بھی خوبی سے۔

آنحضرت ﷺ نے جب یمن کی سمت دوصحابیوں کواسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو چلتے وقت یہ نصیحت فرمائی:

یسرا ولا تعسرا بشرا ولا تنفرا

(بخاری ومسلم)

تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت میں نہ ڈالنا، انھیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔

دیکھنے میں یہ ارشاد نبوی ﷺ دودو لفظ کے دوفقرے ہیں؛ مگران میں

طریق تبلیغ کا ایک دفتر بند ہے، داعی اور مبلغ کو چاہئے کہ جس جماعت کو دعوت دے اس میں آسان سے آسان طریقے سے دین کو پیش کرے اور شروع ہی میں سختی نہ کرے، ان کو خوش خبری اور اعمال کی بشارت اور رحمت و مغفرت الٰہی کی وسعت کا تذکرہ کرے ان کو دین کا حوصلہ دلائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقائد اور فرائض میں مداہنت کی جائے، یہ تو کسی حال میں جائز نہیں؛ بلکہ یہ مقصد ہے کہ طریق کار میں سہولت اور نرمی برتی جائے، فرائض کے علاوہ دوسرے اعمال جو فرض کفایہ یا مستحبات ہوں یا جن کے سبب سے دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ان میں زیادہ سخت گیری نہ کی جائے، یا جن امور میں فقہاء اور مجتہدین نے مختلف راہیں اختیار کی ہیں ان میں سے کسی ایک ہی راہ قبول میں شدت نہ کی جائے یا مسائل کے بیان میں جس حد تک اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر رکھی ہے اس میں عزم و تقوی کے لیے تنگی نہ کی جائے۔

ان امور کی مثالیں سیرت و سنن نبوی میں بکثرت ملتی ہیں؛ چنانچہ عقائد و فرائض میں مداہنت کرنے کی ممانعت قرآن پاک کی کئی آیتوں میں ہے، کفار اسلام کے عقائد میں کچھ نرمی چاہتے ہیں:

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَیُدۡهِنُوۡنَ

(القلم: ۹)

کفار چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں؛ مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۴) اصول: الاہم فالاہم کی ترتیب مدنظر رکھنا۔

آں حضرت ﷺ نے تبلیغ شروع فرمائی تو سب سے پہلا زور صرف توحیداور رسالت پر صرف فرمایا، لا الہ لا اللہ یعنی کلمۂ اسلام کی دعوت شروع کی ،قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ فرمایا: فقط ایک کلمہ (بات) اگر تم اس کو مان لوگے تو سارا عرب وعجم تمہارا زیر فرمان ہو جائے گا ،اللہ تعالی کی الوہیت اور رسول کی رسالت ،حقیقت میں وہ بیج ہے جس کے اندر سے سارے احکام کا برگ وبار نکلتا ہے،سب سے پہلے اسی کی تخم ریزی چاہئے اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے ۔

قرآن حکیم کا طریق نزول خود اس طریق دعوت کی صحیح مثال ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے دلوں کو نرم کرنے والی آیتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، یعنی جن میں ترغیب وترہیب ہے، پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیتیں نازل ہوئیں اور اگر پہلے یہی اترتا کہ شراب مت پیو تو کون مانتا ؟اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی یہ تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے۔

طائف کا وفد جب بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے اسلام کی یہ شرط پیش کی کہ ان سے نماز معاف کر دی جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو وہ کس کام کا ؟(لا خير في دين لا ركوع فيه) پھر انہوں نے یہ شرط پیش کی کہ ان سے عشر وصول نہ کیا جائے، اور نہ مجاہدین کی فوج میں ان کو بھرتی کیا جائے، آپ ﷺ نے یہ دونوں شرطیں قبول کرلیں اور ارشاد فرمایا کہ جب یہ مسلمان ہو جائیں گے تو عشر بھی دیں گے اور

جہاد میں بھی شریک ہوں گے۔

محد ثین لکھتے ہیں کہ نماز چونکہ فورا واجب ہوتی ہے اس لئے اس میں نرمی نہیں برتی گئی، اور جہاد کی شرکت چونکہ فرض کفایہ ہے اور کسی وقت خاص پر فرض ہوتی ہے ،اور زکوۃ وعشر کے وجوب کے لیے چونکہ ایک سال کی مدت کی وسعت تھی اور بعد کو بھی وہ بتاخیر ادا ہوسکتی ہے اس لیے ان دونوں باتوں میں نرمی ظاہر فرمائی۔

اس سے تبلیغ کے حکیمانہ اصول پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

آں حضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''تم ایسے لوگوں میں جارہے ہو جہاں اہل کتاب بھی ہیں، جب تم وہاں پہنچو تو ان کو سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، جب وہ یہ مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے ان پر دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں جب وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انھیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالی نے تم پر زکوۃ بھی فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے اور جب وہ اس کو مان لیں تو زکوۃ میں چن چن کر ان کے اچھے مال چھانٹ کر نہ لو، اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں''۔

اس حدیث سے بھی دعوت کی حکیمانہ ترتیب کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵) اصول: عرض یعنی بے طلب بندوں کے پاس طالب بن کر جانا۔

تبلیغ ودعوت کے ان اصولوں میں سے جو آں حضرت ﷺ کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں ایک عرض ہے یعنی حضور اکرم ﷺ اس کا انتظار

نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں؛ بلکہ آپ ﷺ اور آپ کے داعی لوگوں تک خود پہونچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے؛ یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہونچ جاتے تھے، اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے، مکہ معظّمہ سے سفر کر کے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یا لیل رئیسوں کے گھروں پر جا کر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا، حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہونچاتے اور ان کے ترش وتند جوابوں کی پروانہ فرماتے تھے، آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان واسلام کی دولت مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن وامان واطمنان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر وایران وحبش کے بادشاہوں اور عمان وبحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہونچے، اور مختلف صحابہ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جا کر اسلام کی تبلیغ کی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن کا رخ کیا یہی حال ہر دور کے علمائے حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی ومبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہونچے اور حق کا پیغام پہونچائے بعض صاحبون کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے، ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کہ رہنے والے تھے، فیض کہاں پایا، اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جا کر زیر زمین

میں آرام کیا، اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامان راحت سے محروم تھی۔

معین الدین چشتی رحمہ اللہ سیستان میں پیدا ہوئے اور افغانستان کے چشت سے دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آ کر حق کی روشنی پھیلائی، فرید شکر گنج سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے، اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاء رحمہ اللہ اور پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں، کوئی دکن میں ہے، کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے اور کوئی صوبۂ جات متحدہ میں ہے۔

(۶) اصول: نفیر یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترک وطن کرنا۔

اسلامی دعوت وتبلیغ کا بڑا اصول نفیر ہے یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لیے ترک وطن کر کے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہو سکے اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آ کر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا، سورۂ نساء کی حسب ذیل آیت؛ اگر چہ اپنے شان نزول کے لحاظ سے جنگ کے موقع کی ہے؛ مگر الفاظ کے عموم کی بنا پر ہر اس نفیر کو شامل ہے جو کسی کار خیر کے لیے کی جائے، جیسا کہ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا (نساء: ۷۱)

اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو! اور الگ الگ یا جتھا بنا کر گھروں سے نکلو۔

ایک دوسری آیت خاص اسی مفہوم کی ہے:

وَمَاکَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَ لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُم اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْن.

(التوبة : ۱۲۲)

یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سارے مسلمان گھر سے نکلیں، تو کیوں ہر گروہ سے کچھ لوگ اس غرض کے لیے گھروں سے نہیں نکلتے کہ وہ دین کا علم حاسل کریں اور جب وہ اپنے گھر لوٹ کر آئیں تو اپنے لوگوں کو اللہ سے ڈرائیں تاکہ وہ بھی برائیوں سے بچنے لگیں۔

عہد نبوی ﷺ میں اسی طرح وفود بنا بنا کر الگ الگ قبیلوں سے لوگ مدینۂ منورہ آتے تھے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رہ کر دین کا علم اور عمل حاصل کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تھے، اور بقیہ لوگوں کو دین سے واقف کرنے کا کام کرتے تھے۔

(۷) اصول: تعلیمی حلقہ

آن حضرت ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے چبوترے پر اصحاب صفہ کا حلقہ تھا کہ جن کا کہیں گھر نہ تھا، گزر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اوضرورت کے وقت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے

،ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم ،حضورانور ﷺ کی صحبت سے فیض یابی اورعبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایسے گروہ کا انتظام رکھنا بھی نظمِ جماعت سے ہے ،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت کے ماتحت پیدا ہوتا تھااور صحبت نبوی کی برکت سے ظاہری وباطنی فیوض سے مالامال رہتا تھا اور تبلیغ ودعوت کے کاموں کو انجام دیتا تھا۔

(۸)اصول: تعلیمی حلقے کا خاص طریقہ

تعلیم کا طریقہ زیادہ تر فیض صحبت ،زبانی تعلیم واحکام ومسائل کا ذکراور مذاکرہ اورایک دوسرے سے پوچھنا اورسیکھنا اور بتانا تھا ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں اوردن کاروبار میں مصروف۔

(مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت)

یہ دعوت اصل سے قریب تر ہے

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ’’اوپر کی سطروں میں تبلیغ ودعوت کے اصول پر جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے تبلیغی اصول اور دعوت کے طریق کیا ہیں؟ اور جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں آنندہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے اور جس دعوت وتبلیغ کے علمی وعملی اصول وآئین کا تذکرہ ہے وہ موجودہ ہندوستان کی تمام دینی تحریکوں میں اصل اول سے زیادہ قریب ہے۔

(مولانا الیاس رحمہ اللہ اوران کی دینی دعوت: ۲۵)

بانی دعوت وتبلیغ کا سوانحی مجمل تذکرہ

حضرت جی رحمۃ اللہ کا بچپن

حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ ۱۳۰۳ء میں پیدا ہوئے اختر الیاس تاریخی نام تھا گھر کا ماحول تقوی پرہیزگاری اور دینداری سے مزین تھا آپ نے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، مولانا کی نانی، بی امۃ الرحمٰن عرف امی بی مولانا رحمۃ اللہ پر بہت شفیق تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے، کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں! کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں۔

بیعت وتعلیم

شوال ۱۳۱۱ھ میں اپنے منجھلے بھائی مولانا محمد یحیی کاندھلوی رحمۃ اللہ کے ہمراہ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کی خدمت میں گنگوہ چلے گئے اور وہیں کا قیام اختیار کرلیا ۱۳۱۳ھ یا ۱۳۱۴ھ سے اپنے بھائی سے پڑھنا شروع کردیا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ سے بیعت بھی ہوگئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی وفات ۱۳۲۳ھ میں ہوئی تو اس وقت سرانے بیٹھے ہوئے یس شریف کی تلاوت کررہے تھے حضرت جیؒ بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ کی خدمت میں گزرا، ۱۳۲۶ھ میں حضرت جی رحمۃ اللہ نے

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند رحمہ اللہ سے ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی، شیخ الہند رحمہ اللہ کے مشورے سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ سے منازل سلوک طے کئے اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے دوسرے خلفا سے بھی عقیدت مندی اور صحبت واستفادہ کا تعلق برابر قائم رکھا ،شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے یہ حضرات مرے جسم وجان میں بسے ہوئے تھے،اوران حضرات کو بھی مولانا رحمہ اللہ کی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا۔

تدریس،شادی اورحج

۱۳۲۸ھ میں مظاہرالعلوم سہارنپور میں تدریسی خدمت کے لئے مقرر کئے گئے ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۰ مطابق ۱۷/اکتوبر ۱۳۱۲ء کو جمعہ کے دن اپنے ماموں مولوی رؤف الحسن صاحب رحمہ اللہ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا بڑے بھائی مولانا محمد صاحب رحمہ اللہ نے نکاح پڑھایامجلس عقد میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ،شاہ عبد الرحیم رائے پو ری رحمہ اللہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ موجود تھے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا مشہور وعظ ’’فوائد الصحبت‘‘ اسی دن ہو اتھا،۱۳۳۳ھ میں حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ اور شیخ الہند رحمہ اللہ کےساتھ پہلاسفرحج فرمایا۔

بنگلہ والی مسجد میں قیام

حج کے دوسرے سال ۱۰/ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ حضرت جی رحمہ اللہ کے

بڑے بھائی اور مربی مولانا یحیی صاحب رحمۃ اللہ کا انتقال ہوا ان کے دو سال بعد ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۳۶/ھ شب جمعہ کو سب سے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ (جو بنگلہ والی مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار تھے اپنے والد محترم حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ المتوفی ۴/شوال ۱۳۱۵/ھ مطابق ۲۶/فروری ۱۸۹۸ء کے بعد سے یہی اس کا نظام سنبھالتے آرہے تھے) کے انتقال کے بعد حضرت جی رحمۃ اللہ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ سے مشورہ کرکے ایک سال کے لئے مظاہر العلوم سہارنپور سے استعفی دے کر بنگلہ والی مسجد چلے آئے۔

دہلی کے جنوب کا وہ علاقہ جس میں قدیم زمانے سے میو قوم آباد ہے میوات کہلاتا ہے میواتیوں کا تعلق حضرت جی کے والد مولانا اسمعیل صاحب رحمۃ اللہ سے شروع ہوا تھا پھر حضرت جی رحمۃ اللہ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ سے تھا جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت جی رحمۃ اللہ سے تعلق پیدا ہوا۔

دعوت و تبلیغ کی شروعات

میواتیوں میں دینی شعور بیدار کرنے کے لیے مکاتب اور مدرسے کی محنت شروع سے چل رہی تھی، حضرت جی رحمۃ اللہ نے دینی شعور کی بیداری کے لئے اس کو ناکافی سمجھا کہ جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہوسکتا پھر علماء کے بیانات کا سلسلہ بھی شروع کیا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ میوات فیروز پور نمک لے گئے حضرت کا بیان ہوا انسانوں کا ایک جنگل

تھا لوگ بکثرت بیعت میں داخل ہوئے، شوال ۱۳۴۴ھ کو دوسرا حج فرمایا، مدینۂ طیبہ کے قیام کے زمانے میں مروجہ دعوتی کام کا القا ہوا، چنانچہ ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ واپس ہوکر میوات میں تبلیغی گشت شروع کردیا اور کلمۂ توحید اور نماز کی دعوت چلنے لگی، بڑی مشکل سے ایک جماعت تیار ہوئی ان کو تربیت دے کر ایک آٹھ دن کے لیے چند گاؤں طے کردئے آئندہ جمعہ سوہنے (ضلع گوڑگانوہ) میں پڑھے گی وہیں آئندہ ہفتہ کا پروگرام طے ہوگا، حضرت جی رحمہ اللہ تشریف لے گئے دوسرے ہفتے کا نظام بنا اور دوسرا جمعہ تاؤڑ پڑھا گیا اس طرح سے ہر ہر جمعہ نئے نئے علاقے طے کرتے اس بار تیسرا جمعہ نگینہ تحصیل فیروز پور پڑھا گیا حضرت جی رحمہ اللہ ہر جمعہ شرکت فرماتے اور آئندہ کا نظام طے کرتے، عرصے تک میوات میں اسی طرز پر کام ہوتا رہا اور دینی وعلمی مرکزوں کے لوگوں کو میوات کے جلسوں میں ان جماعتوں کے اجتماع کے موقع پر دعوت دی جاتی رہی اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج فرمایا مکہ سے ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۳۳ء مدینہ پہونچے زیارت کے بعد ۲/جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ کو ہندوستان واپسی ہوئی، اس حج سے آپ اپنے کام اور نظام کے متعلق مزید وثوق واطمنان اور یقین لے کر آئے اور کام کی رفتار کو بڑھا دیا اور میوات میں دو دورے کئے کم سے کم سو آدمی ساتھ میں تھے ایک دورہ ایک مہینہ کا تھا دوسرا دورہ کچھ کم ایک مہینہ کا تھا جگہ جگہ مجمع بہت ہو جایا کرتا تھا جماعتوں کو گشتوں میں خوب نکالا کرتے۔

دعوت وتبلیغ کی موجودہ مبارک محنت کی ابتدا

حضرت جی رحمہ اللہ نے اپنے طویل تجربے اور بالغ نظری سے یہ سمجھ لیا تھا

کہ اپنے ماحول اور مشاغل میں رہ کران غریب میواتی کاشتکاروں کا دین سیکھنے کے لیے وقت نکالنا اور اس تھوڑے سے وقت میں جس میں ان کو کامل یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی دین کے اثرات کو قبول کر لینا ممکن نہیں اور مکتب یا مدرسے کی تعلیم بھی مشکل ہے اور وعظ و پند سے بھی جاہلی زندگی سے نکل کر اسلامی زندگی میں داخل ہو جائے اور عادات واخلاق، مزاج وطبائع، شوق ورغبت اور جذبات بدل جائے مشکل ہے حضرت جیؒ نے اس کے تدارک کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ ان کو کچھ مدت کے لیے جماعتوں کی شکل میں دین اور علم کے مرکزوں کی طرف نکلنے پر آمادہ کیا جائے اور وہ وہاں کے عوام وجہلاء میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ کریں اور اس طرح اپنا پڑھا ہوا سبق پختہ کریں اور وہاں کے اہل علم ودین کی مجلسوں میں بیٹھ کران باتوں کو بغور سنیں اور ان کی زندگی، نشست وبرخاست اور عمل کو بغور دیکھیں، اور اس طرح بالکل فطری طریقے پر جس طرح بچہ زبان سیکھتا ہے اور آدمی تہذیب وشائستگی حاصل کر لیتا ہے وہ دین وعلم دین حاصل کریں، نیز نکلنے کے زمانے میں یکسوئی اور کامل توجہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن پڑھنے، مسائل وفضائل معلوم کرنے اور صحابہ کرامؓ کے حالات وحکایات سننے میں مشغول رہیں اور اس طرح اس گشتی مدرسے سے بہت کچھ سیکھ کر اور لے کر اپنے گھر واپس ہوں، اس کے لئے ضلع مظفر نگر وسہارنپور کا علاقہ پسند کیا جو دین اور علم دین کا معدن اور اہل حق کا خاص مرکز ہے، مولانا کو اس کی بھی امید تھی کہ یہ دعوت وتحریک اہل حق اور اہل علم کے سایہ تلے آجائے گی اور اس بہانے سے اکابرین کو میوات کے ان غریب ودورافتادہ مسلمانوں کی پس ماندگی وزبوں حالی سے واقفیت کا موقع ملے گا درد بھی ہوگا اور ان سے شفقت بھی کریں گے اور ان

حضرات اہل حق کا تعلق اور ان کی سرپرستی نہایت ضروری تھی جس کے بغیر وہ اس تحریک کو خطرہ اور آزمائش سمجھتے تھے۔

پہلی جماعت

ان مصلحتوں کی وجہ سے پہلی جماعت جس میں دس لوگ تھے حاجی مقبول حسن صاحب مرحوم کو امیر بنا کر کاندھلہ بھیجا جو اہل اللہ کا مرکز تھا دس کے دس ساتھی پہلے اعتکاف اور ذکر کے ماحول میں رہ چکے تھے، ان کو ذکر کے اہتمام کی خاص تاکید تھی۔ دوسری جماعت کو رائے پور ضلع سہارنپور بھیجا جہاں شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ مقیم تھے۔

حضرت جی رحمہ اللہ میوات کی تحصیلوں اور پورے ضلع گوڑگانواں کا نقشہ تیار کرایا، سمتیں اور لائنیں قائم کی گئیں اور آپ نے ہدایت کی کہ تمام مبلغین کارگزاری قلم بند کریں گاؤں کی آبادی اور ایک گاؤں کا دوسرے سے فاصلہ لکھا جائے، آس پاس کے بڑے بڑے گاؤں اور ان کے نمبرداروں کے نام لکھے جائیں اور بتلایا جائے کہ کون لوگ زیادہ آباد ہیں۔

سولہ جماعتیں

چتوڑا فیروز پور میں ایک جوڑ ہوا جس میں سولہ جماعتیں بنیں ہر جماعت پر ایک امیر اور ہر چار جماعتوں پر ایک امیر الامراء کا تقرر ہوا، سارے میوات میں ان جماعتوں کو چلایا گیا اس کی شکل یہ تھی کہ چار جماعتیں پہاڑ کے اوپر دورہ کرنے کے سلیے نامزد ہوں اور چار جماعتیں ان علاقوں کو جائیں جو سڑک اور پہاڑ کے درمیان واقع ہیں اور چار جماعتیں ان علاقوں میں جو ہوڈل سے دہلی کی طرف اور الور سے

دہلی کی طرف ہیں اور چار جماعتیں جمنا کے درمیانی علاقوں میں کام کریں، اور ہر جگہ نظام الدین سے ایک آدمی خیر خبر لینے اور تقریر کرنے کے لیے آتا پھر فرید آباد میں سب جماعتوں کو جوڑ ہوا حضرت جی رحمہ اللہ نے بیان کیا فرید آباد سے سولہ جماعتیں تشکیل ہوئی، سب کے رخ طے کئے اور ان کا جوڑ جامع مسجد دہلی میں رکھا گیا اور وہاں سے پانی پت، سونی پت، اور دوسرے مقامات کی طرف بھیجا گیا، اس عرصے میں میوات میں تبلیغی گشتوں اور دین سیکھنے کے لیے سفر وہجرت کی ترغیب اور تشکیل کا کام برابر چلتا رہا۔

دعوت کا کام اوڑھنا بچھونا بن گیا

حضرت جی رحمہ اللہ کا اب ایک ہی کام اور ایک ہی دعوت جو اٹھتے چلتے پھرتے پیش کرتے رہتے اور میوات کے کثرت سے دورے کرتے اور مختلف جگہ لوگوں کو جوڑ کر دین کی بات سمجھاتے او تشکیلیں کرتے اور اسی محنت سے دینی ودنیوی فروغ کا یقین دلاتے رہتے، میوات کے اندر اور باہر دورہ کرنے کے لیے جماعتیں خوب بنتی رہیں، حضرت جی رحمہ اللہ کام کرنے والوں میں ایثار وقربانی کی روح پیدا کرنا چاہتے تھے اور ان کو اللہ کے لیے کھیتی باڑی کا نقصان اور اپنے کاروبار کا حرج برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہتے تھے یہ الگ بات ہے کہ اکثر اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اس کی نوبت نہیں آنے دی اور نکلنے والوں کو واپس آکر معلوم ہوا ان کی غیبی مدد ہوئی اور ان کی کھیتی باڑی اور دوکان داری کو اس عرصے میں زیادہ فروغ ہوا۔

دینی ماحول اور اسلامی رونق

اس محنت کی برکت سے تھوڑی مدت میں اس تاریک خطے میں جو صدیوں سے تاریک چلا آرہا تھا ایسی روشنی پھیلی جس کی نظیر دور دور نہیں مل سکتی ،اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر کوئی اسلامی سلطنت اپنے پورے وسائل استعمال کرتی اور لوگوں کو دین سے قریب کرنے کے لیے اور دین سے واقف کرنے کے لئے بہت بڑی تنخواہ دار عملہ رکھتی یا سیکڑوں کی تعداد میں مدارس و مکاتب قائم کرتی تو وہ اپنی سلطنت کے کسی علاقے میں اس خوبی کے ساتھ دین نہیں پھیلا سکتی تھی ،اور زندگی کا انقلاب تو مادی وسائل کے قابو سے بالکل ہی باہر ہے۔

صحابہ سے تشبیہ

حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کا صحیح طرز وہی ہے جو قرن اول میں تھا ،اسلام کے سپاہی لڑنے کے ہتھیار اور کھانے کے لیے سامان خوراک اپنے گھر سے لاتے تھے اور شہادت کے شوق اور رضائے الٰہی کی طلب میں جہاد کرتے تھے ،اسی طرح اس کے مبلغ اور داعی اس کے محتسب اور واعظ اللہ کا حکم اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے فرائض دلچسپی اور دیانت داری سے ادا کرتے تھے ،میوات کی اس دینی نقل وحرکت میں اس مبارک دور کی ایک ہلکی سی جھلک تھی ،اگر کوئی ان مبلغین کے قافلوں کو اس حالت میں گزرتا ہوا دیکھتا کہ کاندھوں پر کمبل پڑے ہوئے ہیں اور بغل میں سی پارئے دبے ہوئے ہیں ،چادر کے پلو میں چنے یا چند روٹیاں بندھی ہوئی ہیں ،زبانیں ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں آنکھوں میں شب بیداری کے آثار ،پیشانیوں پر

سجدے کے نشانات، ہاتھ پاؤں سے جفاکشی اور مشقت کا اظہار ہو رہا ہے تو دیکھنے والے کے سامنے بیر معونہ کے ان شہید صحابیوں کی ایک دھندلی سی تصویر پھر جاتی جو قرآن اور احکام دین کی تعلیم کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جارہے تھے اور شہید کردئے گیے تھے۔

ماحول بدل گیا

جس علاقے میں کوسوں دور تک مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں اور دیکھتے دیکھتے اس ملک میں ہزاروں مسجدیں بن کر کھڑی ہوگئیں صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدرسے قائم ہو گئے، حفاظ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، فارغ التحصیل علما کی بھی ایک خاصی بڑی تعداد پیدا ہوگئی، ہندوانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی اور اسلامی شرع ولباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی، ہاتھوں سے کڑے اور کانوں سے مرکیاں اترنے لگیں، بے کہے آدمیوں نے ڈاڑھیاں رکھنی شروع کردیں شادیوں سے مشرکانہ رسوم اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ ہونے لگا، سودخوری کم ہوگئی، شراب نوشی تقریباً ختم ہوگئی، قتل وغارت گری کی وارادت میں بہت کمی ہوگئی، جرائم فسادات اور بداخلاقیوں کا تناسب پہلے کے مقابلے میں بہت گھٹ گیا، بے دینی بدعات ورسوم اور فسق وفجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا وفضا نہ پانے کی وجہ سے خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔

اس حقیقت کو ایک سن رسیدہ تجربہ کار میواتی نے بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کیا جس پر کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، قاری داؤد صاحب نے ایک بوڑھے میواتی سے اس کا عندیہ لینے کے لیے پوچھا کہ تمہارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ بوڑھے میواتی نے کہا

''اور تو میں کچھ جانتا نہیں اتنا جانوں کہ جن باتوں کے لیے پہلے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہیں، اور جن باتوں کو بند کرنے کے لیے پہلے بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھی اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند ہوتی تھی وہ اب بے کہے سنے خود بخود بند ہوئی جا رہی ہیں''۔

ایک سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

حضرت جی رحمہ اللہ کے عزائم

مولانا کو اس کی بڑی آرزو تھی کہ جو آخر وقت تک قائم رہی اگر ہندوستان کا کم کچھ جم جائے تو آپ اپنے چند مخصوص رفقا کے ساتھ اسلام کے مرکز جزیرۃ العرب مکہ، مدینہ اور حجاز میں جا کر اس کام کی دعوت دیں ۱۳۵۶ھ میں اس کا شدت سے داعیہ پیدا ہوا۔

جزیرۃ العرب میں دعوت

آپ اس سال حج کے لئے نکل گئے مکہ سے جدہ جاتے ہوئے بحرہ کے قیام میں وہاں کے رؤسا کو جمع کر کے بیان کیا، منی کے قیام میں مختلف اطراف کے حجاج سے گفتگو ہوئی، بحرین کے حجاج کی جماعت سے تبادلہ خیال کیا اور ان سے عہد لیا اور عربی میں دعوت و تبلیغ کے اغراض و مقاصد قلم بند کر کے سلطان جلالۃ الملک کو پیش کیا گیا سلطان دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور توحید و سنت اور اتباع شریعت پر مبسوط تقریر بھی فرمائی اور اور زبانی پوری ہمدردی و اعانت کا وعدہ کیا لیکن اجازت کو نائب عام امیر فیصل کے مشورے پر محمول کیا، مکہ کے قیام کے دوران صبح شام دونوں وقت

جماعت تبلیغ کے لیے جاتی، چند جوڑ بھی ہوئے رفقائے حج کو یہ ہدایت تھی کہ عمرہ اور دوسری عبادت سے زیادہ تبلیغ کا اہتمام کریں ۲۵ صفر ۱۳۵۷ھ کو مکہ معظّمہ سے مدینہ پہونچے وہاں بھی تبلیغی محنت کرتے رہے امیر مدینہ سے ملے انھوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا وہ کاغذات مکہ بھیج کر وہاں سے اجازت کی بات پر موقوف رکھا ،انفرادی طور پر مختلف قسم کے لوگوں سے گفتگو اور مذاکرے رہے،اس مقصد کو لے کر دومرتبہ قبا بھی جانا ہوا وہاں ایک اجتماع میں حضرت جی رحمہ اللہ کا بیان بھی ہو اچند آدمی آمادہ بھی ہوئے، دومرتبہ احد بھی جانا ہوا، بدوؤں سے بھی بات چیت ہوتی تھی رباط میں جانا ہوتا تھا اس سفر سے اتنا اندازہ تو ہوگیا کہ ہندوستان کے مقابلے میں عرب میں تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے۔

جماعت، اکابرین کے شہر میں

قیام حجاز کے دوران میوات اور دہلی کے کام سے بے خبر اور بے تعلق نہیں رہے، خطوط سے مسلسل رابطہ رہتا اور ہدایات جاری کرتے رہتے، مدینہ منورہ کے پندرہ روزہ قیام کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور تبلیغی سرگرمی خوب بڑھادی بکثرت دورے جوڑ اور گشت کرتے رہے،میواتی جماعتیں یوپی کے شہروں اور قصبات میں پھرنے لگیں، دیوبند، سہارنپور، رائے بریلی اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں حضرات اکابر کی طرف سے اگر کچھ پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے ۔

دہلی میں کام کی مضبوطی

دہلی کے کام کو منظّم کرنے اور اس کو ترقی دینے کے لیے حافظ مقبول حسن صاحب مرحوم کو دہلی کی جماعت کا امیر اور ذمہ دار بنایا کام مضبوط ہونے لگا ،کارکنوں میں ایک دوسرے سے ربط اور کام میں روح اور سرگرمی پیدا کرنے کے لئے جمعہ کی رات نظام الدین میں قیام اور مہینے کے آخری چہارشنبہ میں جامع مسجد میں تمام جماعتوں کا جوڑ ہونے لگا اکثر رات کا کھانا سب لوگ اکھٹا کھاتے ،عشا کی نماز سے پہلے اور بعد حضرت جی رحمہ اللہ بیان فرماتے اور فجر بعد بھی بیان کرتے۔

جوڑ

مہینے میں ایک مرتبہ میوات کے کسی مقام پر اور سال میں ایک مرتبہ نوح کے مدرسے میں جوڑ ہوتا تھا ،دہلی کی تبلیغی جماعتیں اور تجار اور نظام الدین کے مقیم حضرات نیز مدرسہ مظاہر العلوم ،دارلعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلما اور مدرسہ فتحپوری دہلی کے بعض علما اور مدرسین شرکت کرتے ،ان اجتماعات کے موقع پر ایسا دینی اور روحانی ماحول ہوتا اور فضا میں ایسی روحانیت ونورانیت محسوس ہوتی کہ قلب پر اثر پڑتا اور قاسی القلب بھی رقت اور تاثیر محسوس کرتا ،ذکر سے فضا اور اہل ذکر سے مسجدیں معمور ہوتیں ،ان جلسوں میں تقریریں اور مواعظ بالکل ضمنی تھے اصل مقصود اور اصل کوشش نئی جماعتیں بنانے اور ان کو باہر نکالنے کی ہوا کرتی تھی اور یہی جلسے کی کامیابی کا معیار تھا کہ کتنی جماعتیں اپنے علاقے سے باہر جانے پر آمادہ ہوئیں حضرت جی رحمہ اللہ اسی کا مطالبہ اور تقاضا کرتے رہتے ،نظام الدین کے مبلغین

عام اجتماع کے علاوہ برادریوں، چودھریوں، میاں جی صاحبان، علما اور اہل اثر کو کو علحدہ جمع کر کے ان کی الگ الگ جماعتیں بناتے۔

جماعت کا کام بڑھ گیا

جماعتوں کو اطراف واکناف، یوپی اور پنجاب، خورجہ، علی گڑھ، آگرہ، بلند شہر، میرٹھ، پانی پت، سونی پت، کرنال، رہتک کو بھیجا کرتے وہاں جماعتیں قائم ہوئی وہاں کے بعض لوگ نظام الدین آنے لگے، مولوی سید رضا حسن صاحب رحمہ اللہ کی امارت میں ایک جماعت کراچی گئی اور سندھ میں کام شروع ہوا، کراچی میں متعدد جماعتوں کی تشکیل ہوئی، حضرت جی رحمہ اللہ کو ساحلی علاقوں میں کام پھیلانے کی بڑی آرزو تھی؛ تاکہ وہاں کے بندرگاہوں سے عرب اور دیگر ممالک تک کام پھیلے۔

عظیم الشان اجتماع

۸/۹/۱۰/ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸/۲۹/۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء کو نوح ضلع گوڑ گانواں میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا میوات کی سرزمین میں اتنا بڑا اجتماع ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا تھا، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اس اجتماع سے متعلق فرمایا کہ میں ہر قسم کے جلسوں میں شریک رہا ہوں مگر ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا، ایک زندہ خانقاہ تھی دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے اور رات کے عبادت گزار دن کے خدمت گزار نظر آتے۔

لکھنو میں دارلعلوم ندوۃ العما کے طلبا و اساتذہ ،حضرت جی کے مشورے کے مطابق قرب وجوار میں کام کرتے اور تعطیلات میں اس کی کارگزاری سناتے حضرت جی رحمۃ اللہ بہت خوش ہوتے ،رجب ۱۳۶۲ھ کو حضرت جی رحمۃ اللہ لکھنو تشریف لے گئے وہاں پر مختلف جگہوں میں جوڑ ہوا پھر کانپور ہوتے ہوئے دہلی پہونچے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ کی طبیعت خراب ہوگئی

نومبر ۱۹۴۳ء کو حضرت جی رحمۃ اللہ کی طبیعت خراب ہوئی پیچش اور دست ہونے لگے ضعف بہت تھا مگر چلتے تھے اور نماز خود پڑھاتے تھے گفتگو اور تقریر میں کو ئی کمی نہیں ہوتی تھی ،؛ البتہ بیٹھ جاتے تو اٹھنے کے لیے سہارا لیتے تھے ،ان دونوں حضرت جی کی بڑی چاہت اور خواہش رہتی کہ علما ،اہل فہم اور اہل بصیرت قریب رہا کریں اور صبر وسکون سے ان کی باتیں سنیں علماء کے نام بار بار پیغام تھا کہ یہ تحریک ودعوت آپ ہی کے لائق ہے اور آپ ہی اس کے لائق ہیں اور آپ ہی اس کو لے کر کھڑے ہونے سے فروغ ہوگا ،میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کہیں آگ لگی ہوئی دیکھی تو آگ بجھانے کے لیے لوگوں کو پکارنے لگا۔

دعوت کے چند مقاصد

حضرت جی رحمۃ اللہ کی دعوت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ امت کے مختلف حلقوں اور طبقوں میں جو بعد اور بیگانگی اور غلط فہمیوں کی بنا پر ایک دوسرے سے جو وحشت تنفر پیدا ہوگیا ہے وہ دور ہو اور ان مین پھر ربط والفت پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون واشتراکِ عمل کریں ،ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کرنا جانیں اور ہر

ایک کودوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو، حضرت جی کی ان کوششوں اور حکمت عملی سے کم سے کم اس دعوت کے حلقۂ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کوعوام دین کے لیے گوارا کرنے لگے، سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماء حق کی تعظیم اور قدر واعتراف کی گنجائش نکل آئی، بڑے بڑے تاجر جو علما سے برسوں سے متوحش تھے علماء کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریروں میں ادب واحترام کے ساتھ لے جانے لگے، مرض وفات کی ابتدا میں حضرت جی رحمہ اللہ کی اس طرف بڑی توجہ تھی اور اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

حضرت جی رحمہ اللہ کی دعوت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اہل سنت کی مختلف جماعتوں میں جو دوری اور وحشت ہے ہر جماعت اپنے دین کی حفاظت اسی میں سمجھتی تھی کہ دوسرے کے سایہ سے بھاگے ایک دوسرے کے محاسن کی بالکل خبر نہیں تھی، ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کے راستے عرصے سے بند ہو چکے تھے، ان اختلافات کو زائل کرنے کا طریقہ صرف مناظرہ مباحثہ، دوسرے مسلک کی تردید اور اپنے مسلک کا اثبات اور دلائل و برھان کو سمجھا، لیکن تجربے سے ثابت ہوگیا اس سے اختلافات دور نہیں ہوتے بلکہ اور بڑھتے ہیں، حضرت جی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ تھا کہ اخلاق واکرام سے ان کے ذہن کی گرہیں کھولی جائیں اور دل کی سلوٹیں اور شکن دور کئے جائیں تعلق پیدا کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور برتنے سے غلط فہمیاں خود بخود رفع ہو جائیں گی۔

طبیعت اور خراب ہوگئی

مارچ ۱۹۴۴ء کو ضعف بہت بڑھ چکا تھا نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے ؛لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے انھیں دنوں میں دو نہایت لطیف تقریریں فرمائی جن میں بند لفظوں میں اس کا اظہار تھا کہ وقت اخیر کچھ دور نہیں ہے اور اس میں بھی اللہ کے بڑے مصالح ہیں۔

علما کے وفود اور ان سے عہد

ان دنوں میں علماء کے وفود آتے جاتے رہتے حضرت جی رحمہ اللہ سب سے اس تحریک کے تعاون کا عہد لیتے اور وقت گذارنے اور جماعت کے لیے وقت دینے کی تاکید فرماتے اور کم از کم نظام الدین میں ہی رک جانے پر آمادہ کرتے ،مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ ملنے آئے تو فرمایا تم نے مجھے وقت دینے کا وعدہ کیا تھا ابھی تک اپنا وعدہ وفا نہیں کیا ؟ انہوں نے کہا رمضان کی تعطیل میں وقت دوں گا تو فرمایا: تم رمضان کہتے ہو مجھے شعبان پکڑنے کی بھی امید نہیں۔

چودھری نواز اللہ خان صاحب مرحوم سے فرمایا بھائی یہیں پڑے رہو بیس دن کا حساب کتاب ہے ادھر ادھر ہو جائے گا (اللہ کی شان اس فرمانے کے بیس ہی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا) سندھ پشاور کو جماعتیں روانہ ہوئیں اور وہاں سے اور مختلف علاقوں سے لوگ حضرت جی رحمہ اللہ سے ملنے آتے رہے حضرت نہات قیمتی باتیں ارشاد فرماتے رہتے حالات روز بروز نازک ہوتی چلی جاتی تھی ،اب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بھی معذوری تھی ،چارپائی صف کے کنارے لگا دی

جاتی تھی اور حضرت جیؒ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ۳۰/جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ ۲۱ جون ۱۹۴۴ء کونوح کے مدرسہ معین الاسلام کا سالانہ جلسہ تھا، یہ غالبا پہلا جلسہ تھا جس میں حضرت جی رحمہ اللہ کی شرکت نہیں ہورہی تھی۔

مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ کی آمد

حضرت مولنا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتھم نے اپنے درس میں سنایا ہے

''ایک مرتبہ مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ بیمار ہوگئے، میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس زمانے میں دیوبند سے دہلی کسی کام سے تشریف لے گئے، دہلی میں آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ بیمار ہیں؛ چنانچہ آپ ان کی عیادت کے لیے نظام الدین تشریف لے گئے وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ معالجین نے ملاقات کرنے سے منع کیا ہوا ہے،؛ چنانچہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے وہاں پر موجود لوگوں سے عرض کردیا کہ میں تو عیادت کے لیے حاضر ہوا تھا، حالات معلوم ہوگئے، اور معالجین نے ملاقات سے منع کیا ہوا ہے، اس لئے ملاقات کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ،بس جب حضرت کی طبیعت ٹھیک ہو تو حضرت کو بتادیں کہ میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا اور میرا اسلام عرض کردیں یہ کہہ کر والد صاحب رخصت ہوگئے۔

حضرت جی رحمہ اللہ کی مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ملنے کی تمنا

کسی نے اندر جا کر حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کو بتادیا کہ حضرت مفتی صاحب آئے تھے، حضرت مولانا نے فورا ایک آدمی پیچھے دوڑایا کہ مفتی صاحب کو بلاکر لائیں جب وہ شخص حضرت مفتی صاحب کے پاس پہونچا اور ان

سے کہا کہ حضرت مولانا آپ کو بلا رہے ہیں تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ معالجین نے ملاقات سے منع کیا ہوا ہے ایسے میں ملاقات کرنا مناسب نہیں ہے ،اس شخص نے کہا کہ حضرت مولانا نے سختی سے حکم دیا ہے کہ ان کو بلا کر لاؤ، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں ان صاحب کے ساتھ واپس گیا اور حضرت کے پاس جا کر بیٹھا اور آپ کی مزاج پرسی کی ،تو حضرت مولانا الیاس صاحب نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بے ساختہ رو پڑے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا ،حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ بہر حال اس وقت تکلیف اور بیماری میں ہیں اس کا طبیعت پر تاثر ہے اس لئے میں تسلی کے کچھ کلمات کہے حضرت مولانا الیاس صاحب نے فرمایا کہ میں تکلیف اور بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں

مجھے اسوقت دو فکریں اور دو اندیشے لاحق ہیں

بلکہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ مجھے اس وقت دو فکریں اور دو اندیشے لاحق ہیں اور انھیں کی وجہ سے میں پریشان ہوں اور اسی وجہ سے رونا آرہا ہے ،حضرت والد صاحب نے پوچھا کہ کونسی فکریں لاحق ہیں ؟حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلی بات یہ ہے کہ جماعت کا کام اب روز بروز پھیل رہا ہے ،الحمد للہ اس کے نتائج اچھے نظر آرہے ہیں اور لوگ جوق در جوق جماعت کے اندر آرہے ہیں ،اب مجھے ڈر یہ لگتا ہے کہ جماعت کی یہ کامیابی کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے استدراج ہو؟ اسر دراج اسے کہتے ہیں کہ کسی باطل آدمی کو اللہ کی طرف سے ڈھیل دے دی جاتی ہے اور اس کو ظاہری کامیابیاں

حاصل ہو جاتی ہیں اور حقیقت میں وہ اللہ کی رضامندی کا کام نہیں ہوتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت مولنا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کس مقام کے بزرگ تھے کہ ان کو یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ یہ کہیں استدراج تو نہیں ہے۔

یہ استدراج نہیں ہے

حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت! میں آپ کو اطمنان دلاسکتا ہوں کہ یہ استدراج نہیں ہے، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ یہ استدراج نہیں ہے؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی کے ساتھ استدراج کا معاملہ ہوتا ہے تو اس شخص کے دل ودماغ پر یہ واہمہ بھی نہیں گذرتا کہ یہ استدراج ہے اور اس کو استدراج کا شبہ بھی نہیں ہوتا اور آپ کو چونکہ استدراج کا شبہ ہو رہا ہے تو یہ شبہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ استدراج نہیں ہے اگر یہ استدراج ہوتا تو کبھی آپ کے دل میں اس کا خیال بھی پیدا نہ ہوتا اس لیے میں آپ کو اس بات کا اطمنان دلاتا ہوں کہ کہ یہ استدراج نہیں ہے بلکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اللہ تعالی کی طرف سے مدد اور نصرت ہے حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ میرا یہ جواب سن کر حضرت والا کے چہرے پر بشاشت آگئی کہ الحمد للہ تمہاری اس بات سے بڑا اطمنان ہو۔ا

دوسری فکر

پھر حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے دوسری فکر یہ لاحق ہے اس جماعت میں عوام بہت کثرت سے آرہے ہیں اور اہل علم کی تعداد بہت کم ہے مجھے اندیشہ یہ ہے کہ جب عوام کے ہاتھ میں قیادت آتی ہے تو بعض اوقات آگے چل کر وہ اس کام کو

غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کے یہ جماعت کسی غلط راستے پر نہ پڑ جائے اور اس کا وبال میرے سر پر آ جائے اس لئے میرا دل چاہتا ہے کہ اہل علم کثرت سے اس جماعت میں داخل ہوں اور وہ اس جماعت کی قیادت سنبھالیں۔

حضرت والد نے فرمایا کہ آپ کی یہ فکر بالکل صحیح ہے لیکن آپ نے نیک نیتی سے اور صحیح طریقے پر کام شروع کیا ہے اگر آگے چل کر اس کو کوئی خراب کر دے تو ان شاء اللہ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، بہر حال یہ بات صحیح ہے کہ اہل علم کو چاہئے کہ وہ آگے آئیں اور اس کی قیادت سنبھالیں ،حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کا یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجدؒ سے بار بار سنا۔اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے اخلاص کا کیا عالم تھا اور ان کے جذبات کیا تھے۔

(درس ترمذی ۲۱۳/۵)

گشت نہ ہونے سے ناراض ہو گئے

ایک دن عصر کے وقت بہت زور کی بارش ہونے لگی، جماعت گشت کو نہ جا سکی حضرت جی باہر نکلے تو بہت ناراض ہوئے اور میواتوں کی تعریف فرمائی اور تبلیغ کی فضیلت بیان کی ،حضرت جی کے تقریر کے اثر سے سخت بارش میں نماز عصر کے بعد جماعت روانہ ہوئی خدا کی شان دیکھئے کہ روانہ ہوتے ہی بارش تھم گئی اور موسم نہایت خوشگوار ہو گیا۔

کام کی ترقی اور حضرت جیؒ کا جذب وشوق

باہر سے جو خطوط آتے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے میں کام بڑے

جوش وخروش سے ہورہا ہے، مولانا عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ مسکین کی طلب وخواہش پر بھوپال ایک بڑی جماعت گئی ،مولوی عبد الرشید صاحب نعمانی رحمہ اللہ اور پروفیسر عبد الغنی صاحب رحمہ اللہ کی تحریک پر دو مرتبہ جماعتیں جے پور گئیں، سب سے زیادہ کام کا جوش نئے مقامات میں سے مرادآباد میں تھا جہاں کام کی برابر خبریں آرہی تھیں اور کئی بار وفود بھی آئے ،جس قدر وقت موعود قریب آتا جاتا تھا طبیعت کی نزاکت اور بے تابی اور کام کی سرگرمی بڑھتی جارہی تھی دعوت کے سوا کسی چیز کا تحمل جاتا رہا اور چند چیزوں میں خصوصی اہتمام کی تاکید فرمانے لگے سب سے زیادہ علم وذکر کی ترغیب وتاکید، مسلمانوں کے پست اور جاہل طبقے پر ترحم اور شفقت اور ان کی تعلیم وتبلیغ کی فکر وحرص زکوۃ ادا کرنے اور راہ خدا میں خرچ کرنے کے صحیح طریقہ اور آداب کی تلقین اور ڈاک کا اہتمام، آنے والے خطوط کا سننا سنانا اور اسکے جوابات لکھوانا وغیرہ۔

ماحول کو اپنے تابع بناؤ

آپ بیتی میں حضرت مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کا بھی اصول اپنی تبلیغ میں یہی تھا کہ تم ماحول کے تابع مت بنو ماحول کو اپنے تابع بناؤ تم دنیا داروں اور بے دینوں کی روش پر نہ چلو اپنی روش پر مضبوط جمے رہو ماحول اپنے آپ بدل جائے گا اللہ پاک کا بھی ارشاد سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے **وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** (ہرگز ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے، کہ وہ

دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا عطیہ بدر جہا بہتر ہے اور دیرپا ہے)
(آپ بیتی نمبر ۶ ج ۲ ص ۴۴۷)

بانی تبلیغ حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ کا مستقل معمول

آپ بیتی میں حضرت مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے: ''ایک معمول چچا جان قدس سرہ کا مستقل یہ تھا اور بڑی باریک بات ہے کہ وہ جب کسی تبلیغی اجتماع سے واپس آتے تو ایک سفر رائے پور کا ضرور فرماتے ورنہ کم ازکم سہارنپور کا اور اگر دونوں کا موقع نہ ہوتا تو تین دن کا اعتکاف اپنی مسجد میں فرمایا کرتے اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے جلسوں کے زمانے میں ہر وقت مجمع کے درمیان میں رہنے سے طبیعت اور قلب پر ایک تکدر پیدا ہوجاتا ہے اس کے دھونے کے واسطے یہ کرتا ہوں''

تصدیق ملفوظات حضرت جیؒ سے

میں یہ مضمون لکھوا رہا تھا کہ اتفاق سے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی زادمجدھم دیوبند سے تشریف لائے اور اس وقت تشریف فرما بھی ہیں، انھوں نے فرمایا کہ یہ مضمون خود حضرت دہلوی (حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ) کے ملفوظات میں خود ان کا ارشاد بلفظہ منقول ہے؛ چنانچہ

حضرت چچا جان رحمۃ اللہ کے ملفوظات منگوائے گئے جس کے الفاظ یہ ہیں: فرمایا: مجھے جب میوات بھی جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہوجاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعے اسے غسل نہ دوں یا چند روز کے لیے سہارنپور یا

رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں، قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔

گشت کرنے والوں کو اہم نصیحت

(حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ) دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے دین کے کام کے لیے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر وفکر کے ذریعے دھویا کریں۔ انتھی بلفظہ (آپ بیتی نمبر ۴ ج ۱ ص ۴۴۲)

وفات وجانشینی

بالآخر حضرت جی رحمۃ اللہ نے حضرت جی ثانی رحمۃ اللہ سے فرمایا ،یوسف! آمل لے ہم تو چلے ۲۱/رجب ۱۳۶۳ھ ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء جمعرات کے دن فجر کی اذان کے وقت جان جان آفریں کے سپرد کی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمنان کی نیند سویا ہو منزل پر پہونچ کر میٹھی نیند سوگیا۔ ” یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولوی یوسف صاحب (حضرت جی ثانی رحمۃ اللہ) کی جانشینی عمل میں آئی اور حضرت جی کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

(ماخوذ وملخص از مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت، مصنفہ مفکراسلام مؤرخ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ)

حضرت جی اول رحمہ اللہ کا سراپا

رنگ گندمی، قد پستہ، جسم نہایت نحیف؛ مگر چاق و چست، سستی کا نام ونشان نہیں تھا، داڑھی گھنی اور سیاہ چند بال سفید جو صرف قریب سے دیکھے جاتے تھے ،صورت سے تفکر، چہرے سے ریاضت ،اور مجاہدہ، پیشانی سے عالی ہمتی نمایاں تھی، زبان میں کچھ لکنت؛ لیکن آواز میں قوت اور گفتگو میں جوش تھا،اس جوش سے اکثر گفتگو کا سیل رواں لکنت کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر ایک آبشار کی سی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

(مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت ص:۱۵۲)

کام کہاں تک پہونچا تھا؟

کام کی شروعات میوات سے ہوئی، میوات میں جب کچھ کام جم گیا تو آپ نے تیسرے سفر حج کے موقع پر جزیرۃ العرب میں مکہ، مدینہ قبا، بدر، احد، طائف کے لوگوں کو اس کام سے مانوس کرنے کی کوشش کی، ساتھ میں بحرین سے آئے ہو ئے لوگوں سے اور رباط میں مقیم لوگوں سے ملتے رہے، اور اکابرین سے دعائیں توجہات اور سرپرستی حاصل کرنے کے لیے جماعتیں سہارنپور، رائے بریلی، تھانہ بھیجنے لگے، دہلی میں کام کو مضبوط کیا ،اور ساتھ ساتھ یو پی میں، خورجہ، علی گڑھ، آگرہ، بلندشہر، میرٹھ، مرادآباد، پنجاب میں پانی پت، سونی پت ،کرنال، رہتک، بھوپال ، جے پور، پڑوس ملک میں پشاور اور لاہور میں کام کی ترتیب بیٹھ گئی اور حضرت جی دنیا سے تشریف لے گئے گرچہ اس وقت ہندوستان کی تقسیم بھی نہ ہوئی تھی اور نہ ہندوستان میں موجودہ صوبوں کی تشکیل کا کام ہوا تھا کام

دور دور تک پھیل چکا تھا۔

مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ کی جانشینی

حضرت جی اول رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ نے دعوت وتبلیغ کے کاز کو آگے بڑھایا اور اس کے لئے انہوں نے وہ تمام صفات اور خوبیاں اپنائی جو اس کام کو ترقی دینے والے کے اندر موجود ہونی چاہئے ،حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ جنہوں نے حضرت جی اول رحمۃ اللہ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے اور حضرت جی رحمۃ اللہ کو بہت قریب سے دیکھا سنا اور پرکھا ہے۔

حضرت جی ثانی رحمۃ اللہ صنولا بیہ بن گئے

وہ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اس عاجز نے اور غالبا ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجے کی دیکھیں (۱) دین کا درد وفکر (۲) اللہ تعالی پر اعتماد ویقین (۳) معارف وحقائق کا فیضان ۔پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتا حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ میں آگئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے''

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ ،از منظور نعمانی رحمۃ اللہ ص ۲۵/۲۶)

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کا سوانحی خاکہ

پیدائش: سہ شنبہ/٢٥/ربیع الاول/١٣٣٥ھ مطابق ٢٠ مارچ ١٩١٧ء

مقام پیدائش: کاندھلہ ضلع مظفرنگر یوپی

عقیقہ: ٢/جمادالثانی دوشنبہ کے دن

تعلیم: سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل، ابتدائی تعلیم کاشف العلوم، نظام الدین میں ١٣٥١ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا

اساتذہ: مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ، شیخ زکریا صاحب رحمہ اللہ، قاری نظام الدین صاحب رحمہ اللہ، حافظ منیر الدین صاحب رحمہ اللہ، حافظ مقبول حسن گنگوہی رحمہ اللہ مولانا عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ، مولانا منظور احمد خان صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمل پوری رحمہ اللہ،

رفیقِ درس: قاری سید رضا حسن صاحب رحمہ اللہ مولانا ادریس صاحب انصاری رحمہ اللہ، حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ

تصنیف: طحاوی کی شرح اور حیاۃ الصحابہ دونوں عربی زبان میں

نکاح: ٣/محرم ١٣٥٤ھ مظاہرا لعلوم کے سالانہ جلسے میں شیخ زکریا صاحب رحمہ اللہ کی بڑی صاحب زادی سے، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے نکاح پڑھایا۔

دوسرا نکاح: پہلی بیوی کے وفات کے تین سال بعد حضرت شیخ زکریا صاحب رحمہ اللہ کی دوسری صاحب زادی کے ساتھ ١٩/ربیع الثانی ١٣٦٩ھ کو عقد ہوا

اولاد: پہلی بیوی سے مولانا ہارون صاحب رحمہ اللہ (مولانا سعد صاحب مدظلہ کے والد)

بیعت وخلافت: حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ سے خلافت ملی

وفات: ٢٩/ذی قعدہ ١٣٨٤ھ مطابق ٢/اپریل ١٩٦٥ء جمعہ کے دن ڈھاکہ کے اجتماع کے بعد لاہور پاکستان میں

مدفن: مرکز نظام الدین میں اپنے والد دادا اور تایا صاحب کے جوار میں

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کی خوبیاں

حضرت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے مقدمے میں لکھا ہے کہ ”راقم سطور کو اپنی تہی دامنی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے؛ لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تنقیص وتحقیر کے) اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے، دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا، دور حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو، اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ افتخار نہیں) یہ کہنے کی جرات کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی سرعت وقوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ کا کوئی اور مقابل نہیں دیکھا یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت

میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے جن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ان کی ایمانی قوت، ان کا اعتماد وتوکل ان کی ہمت وجرات، ان کی نماز اور دعا، صحابہ کرام کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباع سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعات انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت وتصنیف کے متضاد مشاغل کے جمع کرنے کی قوت اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہو اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے؛ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلو ان کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں، اور ان میں سے بعض کمالات وامتیازات وہ ہیں جنمیں ان کے شریک وسہیم مل سکتے ہیں اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہوسکتی ہیں، لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے ان میں (اپنے محدود وواقفیت وعلم میں) ان کا کوئی شریک وسہیم اور ان کا کوئی مدمقابل نظر نہیں آتا والغیب عنداللہ''

(تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ، از منظور نعمانی رحمہ اللہ ص ۱۰/۱۱)

اس کے بعد حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ نے، ان تین خوبیوں کو بڑی بسط وتفصیل سے کئی صفحات میں بیان کیا ہے۔

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ نے کام کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کی وفات ۱۲/اپریل/۱۹۶۵ء کو رائے ونڈ پاکستان میں ہوئی، حضرت جی اول رحمہ اللہ کے بعد مستقل امیر کی حیثیت سے تقریبا اکیس سال اس مبارک محنت کی آب یاری اور پروان چڑھانے میں صرف فرمائی، اور حضرت جی اول کی زندگی میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے اور اور اجتماعات اور جوڑوں میں شریک رہتے تھے اور کام کو بہت قریب سے دیکھتے اور سمجھتے رہے، جب مستقل امیر ہونے کی حیثیت سے سامنے آئے تو کام کو اتنا بڑھایا کہ تقریبا پوری دنیا میں کام کا تعارف ہو گیا اور آدھی دنیا سے زیادہ میں کام کی ترتیب بیٹھ گئی، انھیں کے مبارک دور میں کرناٹک میں بھی کام کا تعارف ہوا اور بہت تیزی سے کام پھیلنے لگا۔

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کا اندازِ بیان

منظور نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کو اس دولت سے کچھ مناسبت ہے، جو انبیاء علیھم السلام کے ذریعہ اہل ایمان کو ملتی ہے، ان سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی۔ زمانہ اور ماحول کے فرق کے ساتھ ان کی تقریروں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ ص:۳۱)

جماعتیں ہندو پاک کے ہر صوبے میں

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ نے جماعت کے کام کو بہت بڑھا دیا آپ کی دعا اور محنت کے نتیجے میں کام ہندوستان، پاکستان اور پورے برصغیر سے جماعتیں نکلنے لگی اور عزائم بڑھتے ہی چلے گئے تا آں کہ کام خلیجی ممالک سے بڑھ کر آگے کے علاقوں میں بھی ہونے لگا۔

ہندوستان سے باہر عرب ممالک میں

منظور نعمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے غالبا چند ہی مہینے بعد مراد آباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا، اس وقت تک تبلیغی کام کے سلسلے میں بڑے اجتماعات اور جلسے میوات میں تو ہوتے تھے؛ لیکن میوات سے باہر بڑے اجتماعات کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا، جہاں تک اس ناچیز کو یاد ہے مراد آباد کا یہ اجتماع اپنی قسم کا پہلا بڑا اجتماع تھا، باہر کے تقریبا سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت کی تھی، تبلیغ کے لیے اوقات دینے کا رواج بھی اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا، فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا یوسف صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور حسب عادت تقریر میں گویا کلیجہ نکال کے رکھ دیا، اس کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا بہت ہی کم نام آئے، حد یہ ہے کہ بجنور، چاند پور اور رام پور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لیے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں، ہم کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے، لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہو رہا تھا، حضرت مولانا یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کی اندرونی محراب میں تشریف

فرماتے تھے، لوگوں کی یہ سرد مہری دیکھ کر ان کو جلال آ گیا، ایک دم اٹھ کر تشریف لائے اور میکروفون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا آج تم بجنور، چاند پور، اور رام پور جیسے قریبی مقامات کے لیے اور صرف تین دن کا وقت دینے کے لیے تیار نہیں ہو رہے ہو، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے، مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے؛ لیکن اس وقت عام رواج ہو چکا ہوگا اس لیے اجر گھٹ جائے گا، مولانا کی اس پر جلال دعوت پر چند نئے نام اور آ گئے، لیکن میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام وعراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا، میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ چاند پور اور رام پور کے لیے تیار نہیں ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام وعراق اور مصر جانے والی بات بہت بے موقع ہے؛ مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آ گئی اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مراد آباد ہی کی گئی''

(تذکرہ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ ص: ۳۰)

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید!

تحریک کو اوج ثریا تک پہونچا دیا (ایک ہم عصر کی شہادت)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی رحمہ اللہ (جو حضرت جی ثانیؒ سے مکمل اکیس سال تک ربط وضبط میں تھے) نے لکھا ہے کہ: مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا (یوسف صاحب) مرحوم سے یک گونہ تعلق وربط تھا وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم

حیثیتی کے پیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی، میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا، اس لئے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملت کے اخلاق کی جھلکیاں اور مشائخ کاندھلہ کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا، یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے ہیں، میں ان کی حیات میں اپنے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے بھی بڑا سمجھتا تھا، سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے، ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ کام انجام نہیں پا سکتے جو انہوں نے ۴۹ سال کی عمر پا کر صرف اکیس سال میں انجام دے لئے، یہ محض انعام ربانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانے کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات نور د آغوش تھی۔

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کا حلیہ

میانہ قد، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا، بدن دوہرا، گھنی سیاہ داڑھی، بھرا ہوا چہرہ، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی، سر پر عام طور سے رومال باندھتے اور دو پلی ٹوپی بھی پہنا کرتے، تہبند اور لامبا کرتا عام لباس ہوتا کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے، پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہو کسی گہری سوچ میں ہیں اول اول ہیبت طاری ہوتی؛ لیکن ذرا ہی دیر میں انس پیدا ہو جاتا، ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے، دین کے علاوہ کچھ نہ کہتے اور نہ سننا گوارا کرتے، ذہن صاف، سینہ یقین سے بھرا ہوا، معلومات خاص کر عہد نبوی ﷺ اور قرن صحابہ وتابعین سے متعلق وسیع سے وسیع تر، لبوں پر مسکراہٹ؛ مگر دل میں آگ لگی ہوئی، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے ایسے ہی مردان خدا کے لیے کہا ہے:

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لب ہا وآتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھاتے، تھوڑی دیر بعد ایک آہ بھرتے جو درد واثر میں ڈوبی ہوتی، اضطراب و بے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کردی تھی؛ جنھوں نے قریب سے نہیں دیکھا ان کے لیے سمجھنا مشکل ہے اور جنھوں نیدیکھا انہوں نے یقین کیا کہ وہ اس دور میں اللہ کی ایک نشانی تھے، انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درد وفکر کو سمجھنا آسان ہوجاتا تھا۔

(تذکرہ حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ ص:۹۰)

بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے بنگلہ والی مسجد کے مدرسے کی ابتدا کا حال یوں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب رحمہ اللہ (حضرت جی اول کے والدمحترم) تلاش وفکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا نظر پڑے تو اس کو مسجد میں لے آئیں اور اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیں، چند مسلمان نظر آئے ان سے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا مزدوری کے لیے! کہا کیا مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتایا۔ فرمایا اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی کیا ضرورت؟ انہوں نے منظور کرلیا، آپ ان کو مسجد میں لے آئے اور نماز سکھانے اور قرآن پڑھانے لگے، یومیہ مزدوری ان کو دے دیتے اور ان کو پڑھنے سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑگئی اور مزدوری چھوٹ گئی۔ یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسے کی بنیاد تھی اور یہ

پہلے طالب علم تھے، اس کے بعد ۱۰، ۱۲ میواتی طالب علم برابر مدرسے میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا''

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۴۳)

مرکز نظام الدین کی مسجد کو ''بنگلہ والی'' کیوں کہتے ہیں؟

مؤرخِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ''مولانا اسمعیل صاحب رحمۃ اللہ (والد حضرت جی مولانا الیاس رحمۃ اللہ) مرزا الٰہی بخش (جو بہادر شاہ کے سمدھی تھے) کے بچوں کو پڑھاتے تھے پھاٹک کے اوپر کے مکان میں رہتے تھے، متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے سامنے مرزا الٰہی بخش صاحب کی نشست گاہ تھی جس پر ٹین پڑا ہوا تھا اسی بنا پر اس کو بنگلہ والی مسجد کہتے ہیں''

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۴۱)

بنگلہ انگریزی لفظ ہے جو انگریزوں کی حویلی کے لیے استعمال ہوتا تھا اور ''ٹین'' کے معنی لغت میں لوہے کی پتلی پتلی چادریں جن پر قلعی کی گئی ہو، کے آتے ہیں مطلب یہ ہوسکتا ہے ایسی ٹین والی نشست گاہ کا استعمال انگریز کرتے ہوں اور اس پر بھی شاید بنگلہ کا اطلاق کرتے ہوں گے پڑوس کی مسجد بھی اسی نام سے موسوم ہو کر بنگلہ والی کہلانے لگی ہو۔

بنگلہ والی مسجد کا قدیم نقشہ

حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ نے مدرسہ حسین بخش والوں کے اصرار پر امتحان میں شرکت قبول کرلی اور ''نظام الدین کے ایک حجرے میں جو بہت تنگ و تاریک تھا

اوراس میں جنگل کی طرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں اب کھڑکی ہے اس میں شب وروز مطالعہ میں مشغول رہتے تھے

(آپ بیتی نمبر۶ ج۲ص۷۵۴)

جب حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ بنگلہ والی مسجد نظام الدین آئے تو اس کی جانب کوئی آبادی نہیں تھی اور مسجد کے قرب وجوار میں جنگل ہی جنگل تھا، مولانا احتشام الحسن صاحب رحمہ اللہ جو کچھ مدت کے بعد حضرت جی رحمہ اللہ کے ساتھ بچپن ہی میں نظام الدین آگئے تھے بیان کرتے ہیں کہ: میں باہر نکل کر اس شوق میں کھڑا رہتا کہ کسی انسان کی صورت نظر آجائے، اگر کوئی آدمی نظر آجاتا تو ایسی خوشی ہوتی جیسی کسی نادر تحفہ چیز کو دیکھ کر ہو۔

ایک مختصر سی پختہ مسجد اور ایک بنگلہ اور ایک حجرہ اور درگاہ کے جنوب میں درگاہ کے متعلق لوگوں کی آبادی تھی۔ کچھ تھوڑے سے میواتی اور غیر میواتی غریب طالب علم، بس یہ مدرسہ ومسجد، اس کی عماتوں اور اس کی آبادی کی کل کائنات تھی۔

(مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت ۶۱)

مدرسے تو کلا علی اللہ چلتے ہیں

مدرسے کی کوئی ایسی آمدنی نہیں تھی جس سے آسانی کے ساتھ اس کے اخراجات پورے ہوں، توکل علی اللہ، قناعت اوراس کے مہتمم کی ہمت عالی اصل سرمایہ تھا بڑی تنگی اور سختی کے ساتھ گزران ہوتی تھی، کبھی کبھی فاقے کی نوبت آجاتی؛ مگر مولانا کی ابرو پر بل نہ آتا، بعض اوقات اعلان فرمادیتے کہ آج کھانے کو نہیں ہے، جس کا جی چاہے رہے جس کا جی چاہے چلا جائے اور اپنا کہیں اورانتظام کرلے

طلبہ کی بھی ایسی روحانی تربیت ہورہی تھی کہ کوئی جانے کے لیے تیار نہ ہوتا بعض اوقات جنگلی پھلوں (گولر وغیرہ) سے پیٹ بھرلیا جاتا، طلبہ خود جنگل سے لکڑیاں لاکر روٹی پکاتے اور چٹنی کھاتے، مولانا اس سختی سے ذرا ہراساں نہ تھے بلکہ اس فارغ البالی اور کشایش سے ڈرتے اور اپنے ساتھیوں کو ڈراتے رہتے تھے جس کی مولانا کو امید تھی اور اللہ کی سنت کے مطابق اس امتحان و آزمائش کے بعد آنے والی تھی۔

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۶۱)

مولانا کو مدرسہ کی ظاہری حالت اور تعمیر کی طرف بالکل توجہ نہ تھی، آپ کے رفیق قدیم مدرسے کے سابق طالب علم حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی سعی پر مولانا کی طبیعت کے خلاف دہلی کے بعض حضرات نے کچھ حجرے تعمیر کرا دیئے، مولانا واپس تشریف لائے تو سخت ناراض ہوئے مدت تک حاجی صاحب سے نہیں بولے اور فرمایا کہ اصل چیز تعلیم ہے........کے مدرسہ کے عمارت جب سے پکی ہوئی تعلیم کچی ہوگئی۔

(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۶۲)

مدرسے میں فاقے

حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ نے خود ایک موقعہ پر ایک صاحب کے استفسار پر بیان فرمایا: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے دور میں شروع شروع کئی کئی فاقے ہو جاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم میں کام کرنے والے حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہوتے، ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا، حضرت رحمۃ اللہ اپنے حجرے سے نکلے اور حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کر کے فرمایا دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو تم

یہاں سے کہیں اور جا سکتے ہو کسی اور مدرسے میں کام کر سکتے ہو، میں اکیلا ہوں حوض کا پانی پی کر گذارا کرلوں گا، گھر اور مدرسے کے خزانے میں کچھ نہیں ہے، حضرت کے اس فرمانے پر سب اہل مدرسہ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا حضرت! ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی پینا پڑے حضرت اس جواب پر آبدیدہ ہو گئے، اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر بعد نکل کر باہر آئے اور فرمایا اللہ برکت دے گا اور آسانی مہیا کرے گا۔

اب فاقہ نہیں ہوگا

اس کے بعد مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ ہی سے سنا ہوا واقعہ ہے کہ جب بھی کہیں سے آٹا آتا تھا تو ایک صندوق میں جو اسی مقصد سے رکھا رہتا تھا بھر دیا جاتا تھا، اندر باہر صرف میں لایا جاتا تھا، ایک بار کا واقعہ ہے کہ صندوق میں آٹا بالکل نہ تھا، اور کئی روز سے فاقے کی حالت چل رہی تھی، مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ نے صندوق کھول کر صندوق کے درازوں سے آٹا نکال کر جمع کیا وہ اتنا کم تھا کہ بڑی محنت سے جمع ہوا اور اس کی چند ٹکیاں بن سکیں مولانا یوسف صاحب کی اس محنت اور عمل کو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ نے حجرے سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا حال دریافت کیا اور انکشاف حال سے چہرے پر ایک خاص قسم کا اثر پڑا اور حجرہ واپس تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد نکلے اور فرمایا یوسف! اب اس چار دیواری کے اندر ان شاء اللہ فاقہ نہ آئے گا۔

(آپ بیتی نمبر ۶ ج ۲ ص ۸۵۸)

کاشف العلوم کا مخلصانہ مجاہدانہ ماحول

آپ بیتی میں حضرت مولانا شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''میرا ایک مخلص دوست لئیق مرحوم مظاہر علوم سے فارغ ہوا استعداد بڑی اچھی تھی ،میرے بڑے خصوصی تعلق والوں میں تھا ،حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ ناظم مدرسہ کی بھی اس پر بڑی شفقتیں تھیں ،اس لیے فراغ پر میں نے از خود اس کو مظاہر علوم کی شاخ میں بیس روپئے تنخواہ پر مدرس تجویز کیا اس نے خوشی سے پسند کیا؛ مگر دو تین دن بعد آکر اس نے قلت تنخواہ کا عذر کیا اور کہا کہ کم از کم پچیس روپئے پر کام کر سکتا ہوں ،میں نے معذرت کر دی کہ بیس بھی تمہاری خصوصیات کی وجہ سے ہیں ورنہ شاخ کی تنخواہیں پندرہ سے متجاوز نہیں ہیں ،میں نے اس مرحوم کو تنخواہ کے غیر مقصود اور نا قابل التفات ہونے پر ترغیب اور نصیحت بھی کی ؛مگر اس نے خانگی ضروریات وغیرہ وغیرہ نہ معلوم کیا کیا ضروریات بیان کیں اور اس نے منظور نہ کیا ،مولوی سعید خان صاحب رحمہ اللہ کا دور تھا، وہ اس کو ترغیب دے کر نظام الدین لے گئے وہاں تدریس اور تبلیغ دونوں کام اس کے حوالے ہوئے اور آٹھ روپئے تنخواہ مقرر ہوئی ،نظام الدین کی حاضری تو میری ہوتی ہی رہتی تھی ،وہ مرحوم اکثر ملتا رہتا تھا؛ چونکہ چچا جان کے دور میں بھی مدرسہ اور تبلیغ کی سرپرستی اس ناکارہ کے ذمہ تھی ،ایک سال بعد میرے پاس ایک درخواست وہاں کے مہتمم صاحب کی طرف سے پہنچی کہ مدرسے کے یہ مدرسین ہیں جن میں چار پانچ نام تھے ان میں ایک لئیق مرحوم کا بھی تھا مہتمم صاحب نے لکھا تھا کہ ان لوگوں کی آٹھ روپے تنخواہ ہے؛ اگرچہ ان کی طرف سے درخواست نہیں ہے مگر میری سفارش ہے کہ دو

روپے کا اضافہ ہر ایک کی تنخواہ میں کر دیا جائے میں نے لکھا کہ ضرور بلکہ چار روپے کا ؛مگر چچا جان نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ابھی تو دو روپے ہی رہنے دو ہمارے مدرسین کی عادت نہ بگاڑو، میں مغرب کے بعد لئیق مرحوم کو بلایا وہ انداز سے یا کسی کی روایت سے سمجھ گیا مجھے اس کا گردن جھکا کر آنا اب تک یاد ہے نہایت شرمندہ ،نہایت محجوب، میں نے پوچھا لئیق تو وہی ہے! وہ خاموش رہا میں نے کہا خاموش رہنے کی ضرورت نہیں، میں تو بات پوچھتا ہوں ،تم کو معلوم ہے کہ میں نظام الدین کا سرپرست ہوں اور میرے یہاں والوں سے تعلق بھی تجھے معلوم تھا،تو نے ہمارے بیس روپے پر ٹھوکر ماردی اور دو سال سے یہاں آٹھ روپے پر کام کر رہا ہے،اس مرحوم نے اللہ تعالی اس کو بہت ہی درجات عطا فرمائے بہت مخلص اور نیک تھا، بہت ہی شرمندگی سے یوں کہا کہ ماحول کا اثر ہے،اس کے سوا اور کچھ نہیں آپ کو یاد ہوگا بیس روپے میں بڑی خوشی سے قبول کیے تھے؛مگر شاخ کے سب مدرسوں نے مجبور کیا کہ پچیس سے کم پر راضی نہ ہونا، تیری وجہ سے ہمارا بھی راستہ کھلے گا،لئیق مرحوم کے علاوہ اور بھی کئی کے ساتھ میرے اس نوع کے واقعے پیش آئے کہ یہاں کے ماحول میں اور نظام الدین کے ماحول میں بہت ہی تفاوت اور خاص طور سے چچا جان کے دور میں پیش آتا رہتا تھا، یہاں کئی آدمیوں کو ہم نے دس روپے معین مدرسی پر رکھنا چاہا اور وہاں جا کر وہ بلا تنخواہ محض کھانے پر تبلیغ وتدریس کا کام کرتے رہے،اگر چہ اس میں چچا جان کی برکت کو خاص دخل تھا لیکن دوسرے درجے میں ماحول کا بھی اثر تھا“

(آپ بیتی نمبر۴ ج۱ ص۴۳۰)

کرناٹک میں تحریک دعوت وتبلیغ کی ابتداء

۱۹۵۲ء سے کرناٹک میں اس مبارک تحریک کا آغاز ہوا اس وقت سے لے کر آج تک یعنی مولانا قاسم قریشی رحمہ اللہ کی وفات تک اس مبارک محنت کو ہم دو دور میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلا دور امیر شریعت اول حضرت علامہ ابوالسعود صاحب باقوی رکن شوری دارالعلوم دیوبند و بانی و مہتمم دارالعلوم سبیل الرشاد کا ہے۔

بابو عبدالرحیم خان صاحب بھوپالیؒ کی جماعت کی آمد کے بعد سے صوبہ کرناٹک میں دعوت کا کام شروع ہوا، حاجی ہدایت اللہ رحمانی رحمہ اللہ پہلے امیر تھے، پھر حاجی اکبر شریفؒ امیر بنائے گئے پھر حاجی اکبر شریفؒ کے زمانے میں ہی حضرت جی ثالث مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے شوری بنائی، جس میں امیر شریعت اول حضرت مولانا علامہ ابوالسعود صاحبؒ، حاجی اکبر شریف صاحبؒ، حاجی آر کے نور محمد صاحبؒ، حاجی اے محمد اسماعیل صاحبؒ تھے، ان حضرات کی نگرانی میں شروع میں کام دھیرے دھیرے ترقی کرتا رہا، یہ بڑی آزمائش اور رکاوٹوں کا دور تھا اس وقت کی حالت یہ تھی کہ کرناٹک کا اسی سے ساٹھ فی صد فیصد طبقہ دعوت کی محنت اور اس کے اثر سے ناآشنا تھا بلکہ بعضے لوگ بڑی سختی سے اس کے مخالف اور دشمن تھے اس کے بعد اس مبارک محنت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ حاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم اور مکرمی حاجی فاروق احمد صاحب مدظلہ ہیں ان تینوں حضرات نے دعوت وتبلیغ کی محنت کو اوج ثریا تک پہونچا دیا ان تینوں نے انتہائی تدبر، جانفشانی، قربانیوں اور کاوشوں کے ذریعے صوبۂ کرناٹک کے کونے کونے میں اس تحریک سے لاکھوں لوگوں کو جوڑ دیا،

جناب ماسٹر ارشاد احمد صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں ’’کہ ان چار احباب کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان تین ارواح ثلاثہ (حضرت مولانا محمد قاسم قریشی صاحبؒ حاجی عبدالرزاق صاحبؒ اور مکرمی حاجی فاروق احمد صاحب مدظلہ) نے ایک جان تین جسم بن کر جس طرح اخلاص استخلاص، استقامت، آپسی، جوڑ ومشورے کے ساتھ ہم جٹھ کر ایک دوسرے سے کمال درجے کی محبت کرتے ہوئے ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے کام کو سنبھالا اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب تو ضرور کہی جاسکتی ہے، ان تینوں ارواح ثلاثہ کا جوڑ قابل دید قابل تقلید، قابل رشک تھا، ایک نہ ہوتے تو دونوں ایک کا انتظار کیا کرتے تھے، دو نہ ہوتے تو ایک ان دونوں کا انتظار کرتے، غرض کمال اتحاد کمال احتیاط، اتحاد فکر اور اجتماع قلوب کا یہ تینوں ارواح ثلاثہ مظہر تھے‘‘۔

کرناٹک میں کام کی ترتیب

مسلسل کوششوں اور انتھک محنتوں سے عوام میں خواص میں علما میں انگریزی پڑھے لکھے طلبا میں اور مدارس کے طلبا میں کام پھیلتا گیا اور دھیرے دھیرے کام کی مستقل ترتیب بیٹھتی چلی گئی بنگلور سے نکل کر کام صوبۂ کرناٹک کے ہر ضلع میں میسور، منڈیا، چامراج نگر، ہاسن، چکمگلور، شیموگہ، داونگرہ، ہلیال، گوا، کولار، ٹمکور، دھرم پوری، سیلم، اننت پور، رائے درگ، رائے چوٹی، مدن پلی وغیرہ اضلاع میں پھیلتا گیا اور جمتا گیا، بنگلور کی شوری ہر ضلع اور تعلق و علاقے کے مسجد وار ساتھیوں کو جوڑ کر مشورے کرتی اور کام کی ترقی کی فکریں کرتیں، پھر مرکز نظام الدین میں صوبے کی کارگزاری سنائی جاتی اور وہاں کی شوری سے کام کا طریقہ لے کر آگے

بڑھتی رہتی، اس طرح ماہانہ جوڑ کے ساتھ ہر چار مہینے میں صوبائی جوڑ ہونے لگے پھر ان میں عوام الناس کی تعداد بڑھتی گئی، تو سالانہ دو جوڑ پھر ایک سالانہ صوبائی جوڑ اضلاع میں ہونے لگے، پھر رفتہ رفتہ یہ اجتماعات ضلع وار ہونے لگے غرض ان تمام صوبائی، اضلاعی، تعلق وار محنتوں میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہی چلا گیا۔

باب دوم

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ

شہر رام نگرم کا جائے وقوع

شہر رام نگرم مولانا رحمۃ اللہ کا آبائی وطن ہے جو شہر گلستان بنگلور سے مغرب کی جانب پینتالیس کلومیٹر پر اور میسور سے مشرق کی جانب نو د کلومیٹر بنگلور میسور شاہراہ پر واقع ہے۔

شہر رام نگرم سے چار مہینے کی پہلی جماعت

مولانا کے بڑے بھائی، جناب عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم جو شہر رام نگرم کے امیر جماعت تھے، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی عظیم قربانیوں کے صدقے اللہ نے اس گاؤں کے لوگوں میں چند ساتھیوں کو چار مہینے اللہ کے راستے میں دعوت کی محنت لے کر چلنے کے لئے قبول فرمالیا، وہ زمانہ ایسا تھا لوگ چار مہینے تو بہت دور تین دن کے لیے بھی وقت دینا بڑا بھاری سمجھتے تھے، ان جیسے عظیم ہستیوں کی عظیم قربانیوں کے نتیجے میں اب لوگوں کے لیے چار مہینے، پانچ مہینے دعوت کی محنت کے لیے دے دینا آسان بن گیا ہے

شہر رام نگرم سے پہلی بار چار مہینے کی جماعت نکلی جس میں مولانا کے بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم حاجی ترابی صاحب، حاجی فیاض اللہ صاحب، حاجی انور صاحبان وغیرہ تھے، اس جماعت کے بعد سے الحمد للہ مستقل کام کی

ترتیب بیٹھ گئی۔

مولانا کے آبا واجداد

حضرت والا مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کا تعلق خاندان قریش سے ہے، خاندان کے افراد دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ان میں سے تین بھائی ہجرت کر کے ہندوستان کے جنوب میں واقع سلگٹہ ضلع کولار میں مقیم ہو گئے ان تین بھائیوں میں دو کی قبریں سلگٹہ کولار کے علاقے میں موجود ہیں، انھیں کی اولاد سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے جد امجد اور دادا صاحبان کا تعلق ہے، مولانا کے دادا محترم اور نانا محترم دونوں الگ الگ گاؤں کے چیرمن اور ذمہ دار تھے دونوں میں دوستی تھی یہی دوستی بالاخر رشتے داری میں بدل گئی مولانا کے والد محترم جناب غوث قریشی صاحب رحمہ اللہ کی پہلی شادی دستگیر بی صاحبہ سے ہوئی وہاں سے رام نگرم چلے آئے، رام نگرم میں ریشم کی تجارت شروع کی اللہ نے ان کی روزی میں خوب برکت دی۔

خاندان قریش

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں ایک جد امجد ''فہر'' ہیں حضرت فہر سے متعلق مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''فہر نام ہے قریش لقب ہے، بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے اور فہر لقب ہے انھیں کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے،

حافظ عراقی رحمہ اللہ اپنی الفیۂ سیرت میں فرماتے ہیں:

اما قریش فالاصح فھر
جماعھا والاکثرون النظر

ترجمہ: زیادہ صحیح یہ ہے کہ فہر کی اولاد قریشی ہیں اکثر لوگ نضر کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں۔

حافظ علائی رَحِمَهُ اللهُ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی مؤید ہیں امام شافعیؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، اس لئے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے لہذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمد اللہ متفق ہو گئے۔ ''(سیرۃ مصطفیٰ ۱/۲۳)

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش کی وجہ تسمیہ سے متعلق مولانا ادریس کاندھلوی رَحِمَهُ اللهُ نے لکھا ہے کہ: ''قریش ایک بحری جانور کا نام ہے جو اپنی قوت کی وجہ سے سب جانوروں پر غالب رہتا ہے وہ جس جانور کو چاہتا ہے کھالیتا ہے، مگر اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، اسی طرح قریش بھی اپنی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے سب پر غالب رہتے ہیں کسی سے مغلوب نہیں ہوتے، اس لیے قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

ابن نجار نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے ،عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر کہا کہ قریش کا گمان یہ ہے کہ قریش میں تم ہی سب سے بڑے عالم ہو، بھلا قریش کی وجہ تسمیہ تو بیان کرو کہ قریش کو قریش کیوں کہتے ہیں ؟ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قریش کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی جوابھی نقل کی گئی۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: اچھا اگر اس بارے میں کوئی شعر یاد ہوتو سناؤ،ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شمرخ بن عمرو حمیری کہتا ہے:

وقریش هی التی تسکن البحر بها سمیت قریش قریشا

قریش میں ایک جانور ہے جو دریا میں رہتا ہے اسی کے نام پر قبیلہ قریش کا نام قریش رکھ دیا گیا ہے

تاکل الغث والسمین ولا تترک لذی الجناحین ریشا

وہ جانور جو پتلے دبلے اور موٹے جانور کو کھا جاتا ہے پر تک نہیں چھوڑتا

هکذا فی البلاد حی قریش

یاکلون البلاد اکلا کمیشا

اسی طرح قبیلۂ قریش شہروں کو سرعت کے ساتھ کھا جاتا ہے

ولهم آخر الزمان نبی

یکثر القتل فیهمو والخموشا

اوراسی قبیلہ قریش میں سے اخیر زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہوگا جو خدا کے نافرمانوں کو کثرت سے قتل کرے گا اور زخمی کرے گا۔

حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں اگر ان کی تفصیل درکار ہو تو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۴۸۶ ج ۷ باب مناقب قریش کی مراجعت فرمائیں''

(سیرۃ مصطفیٰ ۱/۲۴.۲۵)

مولانا کی پیدائش

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ کی پیدائش ملک کی آزادی سے ایک سال قبل رام نگرم میں بتاریخ ۲۵/ مارچ ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔

مولانا کا خاندان

مولانا کے والد محترم جناب محمد غوث قریشی صاحب مرحوم تھے اور والدہ محترمہ دستگیر بی صاحبہ مرحومہ تھی، والد محترم محمد غوث قریشی مرحوم نے دو شادیاں کیں مولاناؒ بڑی اہلیہ دستگیر بی صاحبہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ مولاناؒ سمیت کل بھائی بہن دس ہیں تِلْکَ عَشَرَۃٌ'' کَامِلَۃ مولاناؒ سے بڑے دو بھائی (۱) عبدالرؤف قریشی صاحبؒ (۲) منیر قریشی صاحب مرحومؒ اور ایک بڑی بہن،،، تھیں اور دوسری والدہ سے چھ اولادیں ہیں، جن میں پانچ بہنیں اور ایک بھائی جناب عبدالرحیم قریشی صاحب ہیں۔

ماں کا سایۂ شفقت اٹھ گیا

والدہ مرحومہ کے انتقال کے وقت حضرت کی عمر صرف آٹھ مہینے کی تھی، مولانا بچپن ہی میں ماں کے پیار اور شفقتوں سے محروم ہو گئے۔

دادی اور پھوپھی کی پرورش میں

والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دادی ماں صاحبہ اور پھوپھی صاحبہ نے مولانا کی پرورش اور تربیت کی، اگرچہ مولانا کے والد نے اپنے معصوم بچوں کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح بھی کرلیا تھا۔

اسکول کی تعلیم

مولانا میں جب کچھ شعور بیدار ہوا تو مولانا رحمہ اللہ کے والد نے رام نگرم کے پرائمری اسکول میں داخل کروادیا، جب پرائمری تعلیم تکمیل کو پہونچی تو ہائی اسکول میں داخل کروادیا، ہائی اسکول میں نویں جماعت پاس کرکے ایس ایس ایل سی میں داخلہ لیا۔

مکتب کی تعلیم

اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم بھی مکمل کرلی۔

مولانا کے بڑے بھائی کی دوراندیشی

بڑے بھائی حاجی عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم امیر جماعت رام نگرم اپنے چہیتے بھائی کی پوری زندگی اللہ کے لیے مصروف کردینے کی چاہت رکھتے تھے اس کے لیے انہوں نے مرکز نظام الدین کے کاشف العلوم کا انتخاب کیا اور اپنی ذمہ داری میں وہاں داخلہ کروادیا۔

باپ کی نظروں سے دور ہوگئے

مولانا جو بچپن ہی میں جب کہ آپ کی عمر آٹھ ماہ کی تھی ماں کی شفقت و پیار

سے محروم ہو گئے تھے اب کچھ شعور آیا تو علم دین کے خاطر باپ کی نظروں سے بھی دور ہو گئے ، والد مرحوم جناب غوث قریشی صاحب اس فرقت کو، کب گوارا کر سکتے تھے، مایوسی کے عالم میں اپنے بڑے فرزند سے ناراض ہو گئے باپ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے مولانا کے بڑے بھائی حاجی عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم امیر جماعت والد محترم کے سامنے نہیں آتے تھے،اور چھپے رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔

مدرسے کی تعلیم

۱۹۶۱ء میں جب کہ مولانا رحمہ اللہ کی عمر سولہ سال کی تھی رام نگرم سے بنگلہ والی مسجد اور مدرسے کاشف العلوم کے دامن تربیت وسلوک سے منسلک کر دیا تو وہ اس جگہ پہونچ گئے جہاں اپنے خاص ذوق ومناسبت سے انھیں ہونا ہی چاہئے تھا انھوں نے اس میکدۂ دعوت وارشاد سے امت کی خیر خواہی کا درس بھی لیا اور دین وایمان کی خاطر زندگی کھپا دینے کا کا جذبۂ صادق بھی حاصل کیا وہاں کے نورانی ومجاہدانہ ماحول میں رہ کر تعلیم حاصل فرماتے رہے مسلسل آٹھ سال تک مدرسہ میں رہ کر درس نظامی میں مکمل تعلیم حاصل کی ،قرآن ،حدیث فقہ، منطق ،ادب، بلاغت ،فلسفہ،عربی ،اردو،اور فارسی علوم میں کمال حاصل کیا۔

محنتی طالب علم

مولانا رحمہ اللہ مکمل یکسوئی اور انہماک سے تحصیل علم میں مشغول رہتے اپنی کتاب اپنا قلم اور استاذ کا درس ہمیشہ سامنے رہتا تھا فضول چیزوں میں پڑنا یا فضول گوئی میں مشغول ہونے سے بہت دور تھے، ہر سبق کو انھوں نے باقاعدہ لکھا ہو

اتھا جلالین کی کاپی تو میں نے خود اپنی آنکھوں سے مولانا کے فرزند مفتی حسین قریشی صاحب کے کتب خانے میں دیکھا ہے جس پر چمڑے کی جلد چڑھی ہوئی ہے اور کافی ضخیم ہے مفتی صاحب موصوف نے بتایا کہ ہر ہر سبق کی کاپیاں تھی میزان منشعب کی کاپیاں بھی تھی جس کی حفاظت برسوں سے کرتے آرہے تھے، رام نگرم میں گھر کی مرمت کے وقت بہت ساری کاپیاں ضائع ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ رجعون

اساتذہ سے والہانہ تعلق

طالب علم کے لیے سب سے بڑی سعادت جو اسے مہمیز کا کام دیتی ہے وہ اپنے اساتذہ سے گہرا تعلق ،عقیدت ،محبت اور خدمت ہے اللہ نے مولانا کو ان عظیم نعمتوں سے بہرہ ورفرمایا تھا وہ اپنے اساتذہ کے منظورنظر تھے ایوب خان افضل صاحب رام نگرم مقیم جدہ دامت برکاتھم نے لکھا ہے: کہ مولانا یعقوب صاحب جو مولانا کے استاذوں میں سے ہیں ،باحیات مرکز میں موجود ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: اگر اللہ مجھ سے پوچھیں کہ کیا کر کے لائے ہو؟ تو میں مولانا کو پیش کردوں گا۔ مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت بھی کچھ ایسی ہی دلچسپ تھی خدمت ،اطاعت، حسن اخلاق سے آراستہ تھے۔

حضرت جی ثانی رحمہ اللہ کی خدمت

مولانا نے تعلیم کے ساتھ ساتھ خدمت میں بھی خوب حصہ لیا ایک موقع پر اپنے فرزند مفتی سعید صاحب قریشی کو بتایا کہ حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بار بار جایا کرتا تھا اگر چہ حضرت جی کے پاس ہمارے اسباق نہیں ہو

تے تھے کیوں کہ حضرت جیؒ بڑی جماعتوں کو پڑھاتے تھے اور میں ابتدائی جماعت کا طالب علم تھا، حضرت جی رحمہ اللہ نے مجھے تہجد کے لیے بیدار کرانے اور چائے پلانے کی ذمہ داری دی تھی، ایک دن میں نے حضرت جی رحمہ اللہ کو وقت سے پہلے ہی جگا دیا تو حضرت جی رحمہ اللہ نے کہا کہ ابھی تو وقت تھا اتنی جلدی کی کیا ضرورت تھی پھر حضرت جی وضو وغیرہ سے فارغ ہوئے اور اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

مولانا رحمہ اللہ کے اساتذہ

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحب رحمہ اللہ حضرت کے مایہ ناز اساتذہ میں سے ہیں حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ سے بخاری شریف پڑھی، اس زمانے میں حضرت جی ثانی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ بھی پڑھایا کرتے تھے؛ مگر چونکہ مولانا کا داخلہ نچلی جماعت میں ہوا تھا تو اس لئے تعلیم ان کے پاس سے تو حاصل نہ کر سکے۔

طالب علمی میں مجاہدہ

طلب علمی کے زمانے میں مولانا کے بدن پر پھنسیاں آگئیں اور جو مولانا کے لیے حد درجہ تکلیف دہ تھی؛ مگر مولانا نے علمِ دین کے حصول کے لیے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور بیماری کے ساتھ تعلیم میں پوری استقامت کے ساتھ لگے رہے۔ مولانا عبدالجبار صاحبؒ فرماتے تھے کہ شروع میں نظام الدین میں اللہ کے راستے اللہ کے راستے میں آئے ہوئے مہمانوں کے لئے بیت الخلا کا انتظام نہیں تھا اس کی

غلاظت جوٹن کے ڈبوں میں بھر جاتی رات کے اندھیرے میں طلبہ سر پر لے جا کر دور جنگل میں ڈال کر آتے تھے، ہم نے بھی قریبی زمانے تک دیکھا ہے کہ طلبہ کو موجود مہمانوں کی روٹی کے لیے آٹا جو تقریبا کئی بوریاں ہوتا ہے، اپنے ہاتھوں سے گوندھ کر تنور والے کو دینا پڑتا تھا، اس طرح تعلیم کے دوران جماعتوں کی خدمت کی تربیت کرائی جاتی تھی۔

اس واقعے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نظام الدین بنگلہ والی مسجد کے مجاہدے اختیاری اور رضامندی سے ہوتے تھے جو بھی وہاں پر چلا جاتا ہے وہ مجاہدوں اور قربانیوں کا عادی بن جانے کے ماحول سے وافر حصہ پالیتا ہے یہ اس کی عظیم خصوصیتوں میں سے ایک ہے، مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ نے بھی وہاں کے ماحول سے کافی فایدہ اٹھایا اور پوری زندگی قربانیوں اور مجاہدوں کے نذر کردی، اور راحتوں اور آسائشوں کو اپنے پاس پھڑکنے بھی نہ دیتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ کے درسی ساتھی

مولانا کے ہم جماعت ساتھیوں میں مولانا یوسف صاحب سلونی مقیم مرکز ،مولانا چراغ الدین صاحب راجھستانی، یہ دونوں مولانا کی طرح اپنے اپنے علاقوں میں دعوت کے بڑے ذمہ داروں میں ہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ کی فراغت

۱۹۶۹ء چوبیس سال کی عمر میں مولانا رحمۃ اللہ کی عالمیت سے فراغت ہو ئی ،مکمل آٹھ سال کاشف العلوم کے مجاہدانہ تبلیغی و تعلیمی ماحول میں صرف ہوئے۔

تالیفات

مولانا رحمہ اللہ نے بہت ساری تحریرات سبق سے ہٹ کر بھی لکھی تھی جس میں مختلف موضوعات پر کام کیا تھا ،آیات قرآنی کی تشریحات ،احادیث سے استنباطات اور ہر موضوع پر کئی صفحے لکھے ہوئے تھے افسوس کہ گھر کی مرمت میں وہ کاپیاں بھی ضائع ہوگئی۔

سال کی جماعت

مولانا کی تعلیمی فراغت کے بعد سال لگانے کے لئے سعودی عرب اور دیگر عرب ملکوں کا سفر ہوا،سال سے زیادہ وقت لگا کر واپس ہوئے۔

گاؤں کی جامع مسجد میں

مولانا نے فراغت کے بعد گاؤں کی جامع مسجد جزوی خدمت انجام دی ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اس مسجد میں فضائل اعمال کی تعلیم کی تو ایک صاحب غصہ سے بے قابو ہو کر کتاب کو لات مارا جس کی پاداش میں چند ہی مہینے میں ان کے انگوٹھے میں زخم ہوا اور پیر کو کاٹ دیا گیا،اس طرح کی بے جا مخالفت سے مولانا نے چند ساتھیوں کو لے کر مسجد انصار کی بنیاد رکھی جس میں جماعت کے ہر کام کے لئے پوری آزادی تھی۔

مولانا رحمہ اللہ کی شادی

جب سال پورا ہو گیا تو اپنے اساتذہ کی خدمت میں مرکز نظام الدین نئی دہلی پہونچے پھر اپنے مقام رام نگرم واپس ہوئے تو حضرت مولانا کے نکاح کی تحریک

شروع ہوئی، یہ تحریک شروع کرنے والی خاتون حضرت مولانا رحمہ اللہ کی خوش دامن صاحبہ مہر النساء آپا تھیں، جو آر، ٹی، او، محبوب اللہ شریف صاحب کی اہلیہ محترمہ تھیں بچپن ہی سے دینی ذوق پایا تھا، اجتماعات میں وہ شریک ہوتی رہیں، دل میں دعوت کے کام کی عظمت پیدا ہوتی رہی، نکاح کے بعد وہ اپنے شوہر آر ٹی وہ محبوب اللہ شریف صاحب کو دعوت کے کام میں جوڑلیا اور یہ چاہتی تھی کہ ان کی صاحبزادی کا نکاح کسی مولانا سے ہو، حضرت مولانا کی واپسی کے بعد ان کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے شوہر آر ٹی وہ شریف صاحب کو جو ان دنوں دھاڑواڑ میں آر ٹی وہ آفیسر تھے بنگلور روانہ کیا، وہ بنگلور میں حاجی عبد الرزاق صاحب مرحوم اور مرحوم عبد المالک صاحب سے رجوع ہوئے، ان دونوں نے شریف صاحب کو رام نگرم روانہ کیا، شریف صاحب کو مولانا کا حلیہ عادات، اخلاق، تواضع اور حسن سیرت وصورت بہت پسند آیا رشتہ طے ہوگیا؛ مگر آر ٹی وہ شریف صاحب کے رشتے داروں نے آسمان سر پر اٹھالیا کہ وہ اپنی لڑکی ایک عالم کو دے رہے ہیں، میاں بیوی کی آپس میں بات چیت بھی ہوئی مگر خوش دامن صاحبہ کی استقامت پر خسر صاحب نے بھی حامی بھرلی۔

مجلس نکاح میں اساطین امت

نکاح کی بابرکت مجلس ہو اور ساتھ میں اکابرین کی موجودگی ہو تو پھر اس کی نورانیت اور برکت کا کیا کہنا امیر شریعت اول حضرت مولانا علامہ ابو السعود صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارلعلوم سبیل الرشاد نے مسجد کمہار پیٹ میں نکاح پڑھایا، نکاح کی تاریخ ۶ / اگست / ۱۹۷۱ء تھی نثار حضرت نے نکاح سے متعلق مختصر بیان کیا اس محفل میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ منشی اللہ دتہ نے دعا فرمائی اور اس مجلس میں ان اکابرین کی زیارت اور نکاح

میں شرکت کے لئے ایک جمِ غفیر جمع تھا۔

شادی کے بعد پھر آپ نے پورا ایک سال عالم عرب میں دعوت وتبلیغی محنتوں میں صرف فرمایا، واضح رہے کہ اس سے پہلے فراغت کے فوری بعد مکمل ایک سال دعوت وتبلیغ میں صرف فرما چکے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کے خسر صاحب کی اولاد

جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ مولانا رحمہ اللہ کی خوش دامن صاحبہ دعوت کے کام سے مانوس تھی اور اپنی لڑکی کا نکاح بھی ایک عالم دین سے کیا اس کے علاوہ ان کی اور تین لڑکیاں اور نو ۹ لڑکے تھے

ڈاکٹر نور اللہ شریف صاحب مرحوم

عنایت اللہ شریف صاحب

نواز اللہ شریف صاحب

سرفراز شریف صاحب ۲۲ سال کی عمر میں عین جوانی میں وفات پا گئے

معیذ اللہ شریف صاحب

حافظ سعید احمد شریف صاحب (مفتی حسین قریشی صاحب کے خسر ہیں)

عبید اللہ شریف صاحب

مجیب اللہ شریف صاحب

مجاہد شریف صاحب

مولانا رحمہ اللہ کا پہلا اور دوسرا حج

مولانا رحمہ اللہ اپنی زندگی میں کئی حج اور عمرے فرمائے ہیں ۱۹۷۳ء میں

مولانا کا عرب ممالک، ملک شام، سعودی عرب کے علاقوں میں دعوت کی نسبت سے پورا ایک سال کا وقت لگایا سب سے پہلے اپنی زندگی کا پہلا حج کیا پھر دعوت کی محنت کرتے رہے پھر جب واپس ہوئے تو دوسرا حج ادا کیا، دوسرے حج کے موقعے پر اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی حج کے لیے ہندوستان سے بلالیا۔

گھر کا ماحول

شریف صاحب کی اہلیہ مستورات کے کام کی فکر مند اور متحرک خاتون تھیں اس کے نتیجے میں ان کی دختر بھی یعنی مولانا کی اہلیہ بھی مستورات میں کام کی فکر مند تھی، گھر کا ماحول جب اس طرح تھا تو تمام اولادیں اسی رنگ میں رنگ گئے، اور دعوت کے تقاضوں کو پورا کرنا اپنی زندگی کا اولین فریضہ سمجھتے تھے مولانا کے انتقال کے وقت پر بھی دو صاحبزادے اور ایک داماد پانچ مہینے کی جماعت میں افریقہ (موریشس) کے علاقے میں ایک جماعت لے کر چل رہے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کا مجاہدہ

شروع شروع میں مولانا رحمہ اللہ کو روزانہ رام نگرم سے بنگلور آنا پڑتا تھا ،کبھی بس سے آتے تو کبھی ٹرین سے، بنگلور میں مرکز کمبھار پیٹ میں قیام کرتے اور وہاں کے تقاضوں کو پورا کرتے رہتے، عربوں کی جماعت آتی تو مولانا ان کے امیر بنائے جانے کے ساتھ ساتھ عربوں کے لئے ترجمہ کے بھی ذمہ دار تھے جناب حاجی ارشاد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں نیا نیا آیا تھا میرے پاس تجارت کا کوئی خاص نظام نہیں تھا؛ مگر دعوت کے نام پر میں اپنے گھر رام نگرم سے چلتا ہوا باز و ریلوے اسٹیشن میں تھا وہاں تین مہینوں کی پاس لے رکھی تھی، چلتا ہو

اگھر سے آتا اور ٹرین میں سوار ہو جاتا، مجسٹک میں آ کر بنگلور اترتا چل کر کمھار پیٹ آتا دعوت کے نام پر دن بھر پڑا رہتا اللہ کہیں سے کچھ کھلا دیتا تو کھالیتا ورنہ شام کو چلتا ہوا میں کمھار پیٹ سے مجسٹک ریلوے اسٹیشن پہنچ کر ٹرین میں سوار ہو کر گھر جاتا اور گھر جا کر اللہ جو دیتا وہ کھالیا کرتا تھا' اس طرح مولانا نے بڑی قربانیوں سے اس کام کو کرناٹک میں مضبوط کیا۔

رام نگرم کے ایک ساتھی جناب سلیم صاحب نے بیان کیا کہ ایک گاؤں میں جماعت اپنا وقت پورا کر کے روانہ ہوئی اور ریلوے اسٹیشن کے بازو ایک مسجد میں قیام کرلیا کہ صبح وہیں سے ریل کا سفر کرنا تھا؛ چنانچہ رات سے پہلے جماعت اس مسجد کو پہونچ گئی اور رات کا کھانا تیار کر کے سب ساتھی کھانے بیٹھ گئے، ایک بوڑھے میاں آئے اور پوچھنے لگے، کہاں کی جماعت ہے؟ تو ساتھیوں نے بتایا کہ رام نگرم کی جماعت ہے تو بوڑھے میاں نے کہا کہ تم لوگ یہاں مزے لے کر انڈے کھا رہے ہو! قاسم قریشی تو یہاں پر ڈنڈے کھایا تھا۔

بندۂ ناچیز کو داونگرہ کے ایک ساتھی نے بتایا تھا کہ جب مولاناؒ داونگرہ میں دعوت کا کام لے کر آئے تو یہاں کے لوگوں نے مولانا کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو دیوبندی حلقے کے لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں؛ چنانچہ انہوں نے مولانا پر پتھر پھینکے ،اور برا بھلا کہا، تو مولانا نے اپنے ساتھیوں کو دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ عشق رسول میں ہم کو مار رہے ہیں اور ہم لوگ عشق رسول میں ان کی مار کھا رہے ہیں۔

رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء جس سال مولانا پردہ فرمائے تھے ،بندے نے اس رمضان کے تیسرے روزے کو مولانا سے اس واقعے کی تصویب چاہی تو مولانا نے فرمایا وہاں ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ آندھرا کے ایک علاقے غالباً انت

پور کے کسی علاقے کا نام لیا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے عین اجتماع کے دن ہنگامہ کیا اور سارا کھانا سالن سب کا سب الٹ دیا اور ساتھیوں سے ہاتھا پائی بھی کی۔

الغرض واقعہ کچھ بھی ہو اس سے ایک بات تو واضح ہے کہ مولانا نے دین کے لیے صعوبتوں کو برداشت کیا مخالف ماحول میں بھی پوری ہمت اور جرات کے ساتھ دعوت کی محنت کو پیش کیا قربانیوں نے رنگ لایا اور الحمدللہ آج پورے کرناٹک میں دعوت کی مخالفت کرنے والے معدودے چند ہو گئے بلکہ مخالفین خود دعوت سے مانوس ہونے لگے ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کی علالت

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی
مریض عشق پر رحمت خدا کی

الحمدللہ مولانا ہر وقت صحت مند و تندرست نظر آتے تھے آخر وقت تک بھی مولانا کو دیکھنے والا کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ مولانا بیمار ہیں یا کوئی عذر ہے، بس اتنا سمجھ سکتا تھا کہ موٹاپا ہے، مولاناؒ کو آرام کئے بغیر آدھا دن بلکہ سارا سارا دن بیٹھے رہنے کی وجہ سے پیٹھ میں تکلیف ہوتی تھی علاج کے سلسلے میں کیرالہ گئے تو پیٹھ کا آپریشن ہوا اسی موقعے پر مولاناؒ کے بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی صاحب کا انتقال ہوا مولانا ہاسپتال میں زیر علاج رہنے کی وجہ سے جنازے میں شریک نہ ہو سکے۔

آپ کا ایک آپریشن کوئمبتور کے مشہور ہاسپتل میں بھی ہوا تھا، اس وقت ڈاکٹروں نے آپ کو زیادہ لیٹے رہنے کا بھی مشورہ دیا تھا۔

آپ کے پیروں کے آپریشن والے نشانات کو میں نے بھی دیکھا ہے، مولانا

اپنی پنڈلی پر سے لنگی ہٹا کر دکھلایا تھا اس وقت مفتی نظام الدین صاحب استاذ شاہ ولی اللہ اور مولانا ابراہیم فرید صاحب بھی مولانا سے ملنے آئے تھے پنڈلیوں کو تین جگہ سے تین انچ گہرا کاٹ کر اندر سے زہریلا مواد نکالا گیا تھا ہم نے دیکھا تو ایک انچ گہرا ہے جس کی سلائی بھی نہیں ہوئی تھی تا کہ دوبارہ ضرورت پڑے تو پھر سے کاٹنے کی حاجت نہ رہے، مولانا رحمہ اللہ اس وقت ظہر کی نماز گھر میں پڑھ کر ہم لوگوں سے کہا اگر میں چلوں گا تو یہ زخم کھل جائیں گے۔

مولانا کو ڈاکٹروں حکیموں نے مشورہ دیا تھا کہ آپ بیانات نہ کریں صحت کا خاص خیال رکھیں تو مولانا ان کے مشورے کو قبول نہیں کیا وہ اپنے لئے وہی اسوہ سامنے رکھتے تھے جو حضرت مولانا الیاس صاحب نے کہا تھا ''تبلیغ کے لے بول کر مرجانا پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ خاموش رہ کر صحت حاصل کروں''

حضرت اقدس مرشدی ومولائی مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم نے لکھا ہے کہا آپ کئی سالوں سے مختلف امراض وعوارض کا شکار ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے متعدد بار ہسپتالوں میں بھی آپ کو داخل کرنے کی نوبت آتی رہی، ایک دو بار شفا ہستپال میں ایسے موقعہ پر عیادت کے لیے احقر حاضر ہوا اور محسوس کیا کہ آپ کو اللہ تعالی بے پناہ صبر کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے، صحت کی کمزوری اور مختلف امراض وعوارض کے باوجود آپ کی زبان پر کوئی شکوہ شکایت نہیں، بلکہ اس کی جگہ شکر ہی شکر ہے۔

خلد آشیاں کے لیے بے قرار

ایوب خان افضل صاحب دامت برکاتھم بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ

میں نے مولانا سے عرض کیا مولانا کچھ آرام بھی کرنا چاہئے ،اس پر مولانا نے فرمایا:اس راستے کی موت کے لیے چل رہے ہیں وہ اب قریب ہے اورتم بیٹھنے کو کہتے ہو پھر میں خاموش ہوگیا اوراس وقت مولانا اپنی منزل جنت میں پہونچ کر آرام فرمارہے ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کے آخری لمحات

گلوں کو دیکھ لے جی بھر کے بلبل
خبر کیا پھر بہار آئے نہ آئے

جمعہ کے دن عصر کے بعد مرکز سلطان شاہ میں مولانا رحمہ اللہ کو دیکھنے والوں نے عجیب انداز سے پایا مولانا رحمہ اللہ سلطان شاہ مرکز سے نکلے راستے میں مولانا کوشدید سردیلگنے لگی ،مولانا کا معمول تھا کہ وہ عبدالرشید صاحب کی گاڑی سے آتے اور جاتے تھےاورعشا کے بعدتک بھی مرکز میں رہتے ؛مگراس دن مغرب کے وقت ہی مظہر بھائی کی سواری سے چلے گئے راستے میں ڈرائیورصاحب سے کہا کہ سردی زیادہ لگ رہی ہے کافی پینا ہے،ڈرائیور نے ایک ہوٹل کے پاس گاڑی روکی اورمولانا کے لیے جلدی سے کافی لائے ،مولانا رحمہ اللہ نے پیا اوردوسری کافی کا تقاضہ کیا تو دوسری کافی حاضر کی گئی،اس کے پینے کے بعداستنجاء کا تقاضہ ہوا تو ڈرائیور سے کہا کہ استنجاء کے لئے جانا ہے قریبی جگہ پر جہاں سہولت ہو، لیجائیے!ڈرائیورصاحب بڑے سمجھدار تھےاورحضرت کے لئے سب سے بہترین جگہ استنجاء کے لئے حضرت کا مکان تھا جوقریب ہی تھوڑے سے فاصلے پرموجودتھا ،ڈرائیورصاحب تیزی سے سواری دوڑائی اور گھر پہونچ گئے ،مفتی حسین قریشی

صاحب نے گیٹ کھولا گھر میں حاجت پوری ہونے کے بعد سے حضرت پر ایک عجیب نورانی کیفیت چھلکنے لگی، اور عالم کیف و مستی کا عجیب منظر حضرت پر سوار تھا۔

غشی طاری ہوگئی

رات آٹھ بجے سے دس بجے تک قابو سے باہر تھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا سانسیں چل رہی تھی اور اللہ اللہ کی آواز سنائی دے رہی تھی اور بخار اور سردی شروع ہوگئی جس نے شدت اختیار کرلی، کئی کئی کمبل اڑھانے کے باوجود سردی اور ٹھنڈ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، پیٹھ میں درد ہو رہا تھا مفتی حسین قریشی صاحب پیٹھ دبا رہے تھے اور منہ سے عجیب بہترین خوشبو نکل رہی تھی کبھی کبھی اس رات بے قراری کے عالم میں جو زندگی کی آخری رات تھی، یہ کہا کرتے تھے اللہ اللہ کبھی یا بشری یا مبشر، چلو چلیں گے کبھی ٹھیک ہے ایسا، مفتی صاحب ہر جملے پر استفسار کرتے تھے کہ ابا کچھ ضرورت ہے؟ دوائیاں دی گئیں مگر کچھ افاقہ نہ ہوا دس بجے عشا کی نماز پڑھی گئی رات بھر یہی بے قراری کی کیفیت تھی سارے گھر والوں کو آرام کرنے کے لیے بھیج دیا؛ مگر گھر والوں کو اس حالت سے چین کہاں؟ مفتی خلیل قریشی صاحب اور مفتی حسین قریشی صاحب رات بھر جاگتے رہے، اور وقتاً فوقتاً والد محترم کو دیکھتے رہے چار بجے مولانا کے قریب گئے تو آنکھ کھلی ہوئی تھی بیدار تھے پوچھنے لگے: "کیا جی قصہ؟ پھر نماز کا وقت معلوم کیا اور بیٹھ گئے اور سب کو جگا دیا پھر فجر کی نماز اول وقت میں پڑھی گئی، نماز کے آدھے گھنٹے کے بعد ڈاکٹر صاحب کو اطلاع کیئے ڈاکٹر صاحب نے دوائیوں کی پوری ترتیب سمجھا دی پھر صبح گیارہ بجے ڈاکٹر الطاف صاحب آئے انھوں نے انجکشن دیا تو بخار اور سردی کی شدت میں کمی آگئی، مگر

دست اور قے شروع ہوگئے، قے ہونے کی وجہ سے کھانے سے منع کردیا کہ کھاتا ہوں تو قے ہوتی ہے۔

حضرت مولاناؒ کا چکنا یکنا ہلی کا سفر طے تھا تو مولانا اکبر شریف صاحب کو وہاں جانے کے لیے تیار فرمایا جب وہ تیار ہو گئے ان کے لیے بہت دعائیں دیں بھائی آصف ٹمکور سے معذرت کی کہ میری طبیعت خراب ہے میں نہیں آسکوں گا بہرحال طبیعت بگڑتی گئی کبھی گھر کے دروازے کی طرف دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے بچوں نے کہا ہم ڈاکٹر کو بلائیں یا سواری میں ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں؟ مولانا نے کہا میرے پیروں میں طاقت ہی نہیں معلوم ہوتی، ساری نمازیں اول وقت میں پڑھتے رہے سارے گھر والے پوری رات اور دن دعا اور ذکر واذکار میں لگے رہے، عصر کے بعد استنجاء کا تقاضا ہوا، مگر چل نہیں سکے بستر پر لٹا دیا گیا، پھر یکایک حضرت مولانا اپنے گھر جہاں نماز کی جگہ طے تھی وہاں پہونچے اور سجدے میں چلے گئے یہ ان کا آخری سجدہ تھا، سبحان ربی الاعلی کہتے ہوئے اپنے محبوب حقیقی کے دربار میں پہونچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اب ہمیشہ کے لئے وہ آہ ہم سے چھٹ گیا
وائے ناکامی ہمارا قافلہ اب لٹ گیا

مولانا رحمہ اللہ کے جسد خاکی سے متعلق مشورہ

مولانا رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت جماعت کے ذمہ دار جناب فاروق صاحب سفر پر تھے، ان کے آنے کا انتظار کیا گیا جب آ گئے تو مشورہ ہوا مشورے میں مولانا کی تکفین وتدفین اور نماز جنازہ سے متعلق حتمی فیصلہ لیا گیا اور خاندان کے

احباب اور مستورات جو آخری دیدار کے خواہشمند تھے،مولانا جسد اطہر کے دیدار سے متعلق وقت طے کیا گیا اور رات تقریبا چار بجے کے آس پاس غسل کی کاروائی مکمل ہوئی غسل کے بعد عقیدت مندوں کے دیدار کے لئے نظام بنایا گیا اور نماز فجر تک لوگ جوق در جوق دیدار کرتے رہے پھر نماز فجر کی اذان ہوئی اور لوگ نماز کی تیاری مشغول ہو گئے، کچھ ساتھیوں نے اول وقت میں نماز ادا کر کے مولانا کے جسد خاکی کو ایمبولنس میں رکھ دیا،اگر وہ اس وقت یہ کام نہ کر سکتے تو پھر بعد میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا یہ ان ساتھیوں کی کمال دانشمندی تھی کہ اتنے بڑے ہجوم کو قابو میں رکھنے کی ایک بہترین تدبیر کی گئی،نماز سے فارغ ہو کر حضرت مولانا اکبر شریف صاحب دامت برکاتھم نے حضرت مولانا کی زندگی کے مختلف مراحل پر بصیرت افروز خطاب فرماتے رہے اس کے بعد مفتی اسلم صاحب نے بھی حضرت والا کے کارناموں اور قربانیوں پر روشنی ڈالتے رہے۔

مولانا سعد صاحب کا تعزیتی خط

مرکز نظام الدین سے حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتھم نے تین احباب کو تعزیتی خط دے کر مولانا کے جنازے میں شرکت کے لیے بھیجا مولانا شوکت صاحب، مفتی شہزاد صاحب،اور بھائی انعام صاحب دہلوی، فجر کی نماز کے بعد مولانا شوکت صاحب نے ضروری خطاب فرما کر مجمع کی تشکیل فرمائی ۔ مفتی شہزاد صاحب نے حضرت مولانا سعد صاحب کا تحریر کردہ خط پڑھ کر سنایا، پھر مولانا شوکت صاحب نے مختصر دعا فرمائی

مولانا سعد صاحب کا خط:

محترمین بندہ: احباب مشورہ صوبہ کرناٹک وپس ماندگان مرحوم مولانا قاسم قریشی صاحب! حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

امید ہے کہ آپ حضرات کا مزاج بخیر ہوگا اور دعوۃ الی الخیر کی مبارک سعی میں مشغول ہوں گے۔

اللہ رب العزت کی سنت اپنے بندوں کا آزمائشوں پر صبر پر بہتر بدلہ دینا ہے ،قحط الرجال کے اس دور میں پرانے ذمہ داروں اور علماء کا اٹھ جانا بڑی آزمائش ہے ،وان الله مااخذ ولله ما اعطى

خبر وفات معلوم ہوئی فانا لله وانا اليه رجعون

اللهم اغفر لنا وله واعقبنا منه عقبى حسنة واعظم الله لكم الاجر و والهمكم الصبر رزقنا وایاکم الشکر

مرحوم یقیناً ہمارے درمیان اللہ رب العزت کا ایک خوش گوار عطیہ اور بطور عاریت عطا کردہ ایک نعمت تھے اللہ جل جلالہ نے ہمیں ایک مدت کے لیے (جو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی) استفادہ کا موقع دیا تھا اب جب حق تعالی نے اپنی عاریت واپس لے لی تو ہم پر فریضۂ صبر عائد ہے اور اللہ سے بہتر بدلے کی امید لازم ہے۔

من سن سنة حسنة فله اجره واجرمن عمل بها وغیرہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ: جن لوگوں کو اللہ نے تعدیۂ عمل کا سبب بنایا ہے، موت ان کے صحیفۂ حسنات کو بند نہیں کرتی ،اور دعوۃ الی اللہ کی مبارک محنت تعدیۂ عمل کا بہت ہی

عظیم ورفیع سبب ہے۔
اعذار کے باوجود حضرت مرحوم کا تادم آخر کام کے ہر تقاضے کو قربانی کے ساتھ پورا کرنا ان کے لیے ذخیرہ اور ہمارے لیے بہتر اسوہ ہے۔ **اللھم کثر امثالہ** خصوصا ان کی اولاد واحفاد کے حق میں **یرثنی ویرث من ال یعقوب** ہے داعی کی یہی تمنا اور خواہش معلوم ہوتی ہے۔
دعا ہے کہ اللہ انھیں حضرت مرحوم کا نعم البدل بنائے، آمین

اللھم اغفر لہ مغفرۃ لا تدع ذنبا ووسع مد خلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ .

بندۂ ضعیف
محمد سعد

بقلم محمد ظہیر الاسلام بارہ بنکوی ۱۷رشوال ر۱۴۳۷ھ

نماز جنازہ کا منظر

نماز جنازہ کا وقت قریب آ گیا چاروں طرف مسجد کے صدر اور باہر مائک کا نظام منظّم طریقے سے کیا گیا تھا مسجد سلطان شاہ سے متصل نمازہ جنازہ کے لیے صفیں بنائی گئیں تو چھوٹا میدان، بورنگ اسپتال، چاندنی چوک اور ادھر انفنٹری روڈ سے ہوٹل ایمپائر سے بھی آگے نکلی ہوئی تھی، ایک جم غفیر، ایک انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر تھا، یہ کسی دنیاوی لیڈر کا جنازہ نہیں تھا بلکہ ایک اللہ کے مخلص بندے، ایک دین کے جان باز، ایک شریعت وسنت کے فدائی، ایک عارف باللہ، ایک محی سنت ،اور ایک امت کے غم میں رونے اور گھلنے والے ہمدرد وغمخوار داعی الی اللہ، ختم نبوت

کے وارث ،عالم ربانی کا جنازہ تھا،جس کی زندگی سن ۱۹۶۲سے ۲۰۱۶تک اپنی طالب علمی سے لے کر نوجوانی ، جوانی ،ادھیڑپن ،اور پیرانہ سالی کے تمام ادوار میں مسلسل بغیر رکے تمام قربانیوں کے ساتھ جانفشانی اور لگن کے ساتھ راحت وغم میں صحت میں اعذار میں ،شہر بیرون شہر،صوبہ کرناٹک کا ایک تعلقہ ایک ایک بستی ایک ایک ضلع ، بیرون ملک اور اندرون ملک ،وطنی سطح پر عالمی سطح پر جس وقت جہاں کے لیے جو تقاضہ آیا؛ لبیک کہہ کے چلتے رہنے کی اخلاص اور استخلاص اور استقامت کی ایک نا قابل تصور،قابل تقلیداور زریں مثال ہے جواب ہمیشہ ہمیشہ کے ابدی اور راحت والی نیند میں سلادی گئی ۔ان کی نماز جنازہ تھی غرض مسلسل اعلانات بڑے زوروشور سے کرتے رہے، صفیں باندھ لی گئیں،ٹھیک آٹھ بجے نماز جنازہ مولانا کے فرزند مفتی حسین احمد قریشی صاحب نے پڑھائی۔

ہر تکبیر پر مسلسل لوگوں کی رونے اور بلبلانے آہ فغاں سے بھری ہوئی سسکیاں سنائی دیتی رہیں،لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھی دل تڑپ رہے تھے،ہاتھ پیر بعضوں کے لرز رہے تھے،غرض نماز جنازہ پوری ہوئی۔

تدفین کی کاروائی

میت ایمبولنس کے ذریعے مدرسہ شاہ ولی اللہ روانہ ہوئی،مرکز سلطان شاہ سے مدرسہ شاہ ولی اللہ کا فاصلہ تقریبا آدھا گھنٹہ کا ہے؛مگر یہ سفر حضرت والا کی میت کا تقریبا دوسوا دو گھنٹوں میں پورا ہوا ہر چار طرف سے لوگوں کا ہجوم آتا ہی گیا، چیونٹی کی رفتار سے مجمع چلتا رہا، ہر ایک آنسو میں ڈوبا ہو، چہرہ اور دل رنجیدہ اور غم زدہ، مجمع میں سناٹا بھی تھا کبھی کبھی شور وغل کی آوازیں بھی آتی تھیں،حاجی عبد الرزاق

صاحب مرحوم کے جنازے کے بعد یہ دوسرا ہجوم تھا جو مدرسہ شاہ ولی اللہ کی طرف رواں دواں تھا جنازے کے ساتھ ایمبولنس میں مکرمی فاروق احمد صاحب اور حضرت کے صاحبزادگان، رشتے دار اور دیگر احباب سوار تھے، غرض بڑی مشکل اور رک رک کر ایمبولنس حضرتؒ کے جنازے کو لے کر مدرسہ شاہ ولی اللہ کو پہنچ گئی، اب حضرت والا کے جنازے کو اتارنا وہ مرحلہ تھا جو سمجھ سے باہر تھا، ہر آدمی چاہ رہا تھا کہ جنازے کو ہاتھ لگادوں یا تھوڑا سہارا ہی دیدوں، جذبات امنڈ تے اور ابھرتے جارہے تھے ، یہ انتہائی دشوار گذار مرحلہ تھا، حکومت کے کارندوں کو بعض وزراء جیسے جناب روشن بیگ صاحب بالخصوص ان حضرات کو حالات کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا تھا، اس لئے حکومت کے احباب اور پولیس چوکنا ہوکر خود پولیس فورس کا نظام کرچکی تھی، بہر حال پولیس چاروں طرف سے ایمبولس کو گھیرے میں لے لیا، حضرت والا کا جنازہ اتارلیا گیا، مکرمی فاروق احمد دامت برکاتھم بڑی دردانگیز مختصر سے تقریر فرمائی اور رقت انگیز سسکیوں سے بھری دعا کے ساتھ تدفین عمل میں آئی۔

قبر میں اترنے والے مبارک احباب

۔قبر میں مولانا کے صاحبزادے اور دیگر احباب اترے تھے، لوگ مٹی دینے کو بے تاب تھے، غرض لوگ جوق درجوق یہ کام بھی کرتے رہے۔

مولانا رحمہ اللہ کا مدفن

رام نگرم مولانا رحمہ اللہ کا آبائی و پیدائشی وطن تھا حضرت کے والدین اور بھائی وہیں مدفون تھے، حضرت کے بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی صاحب امیر جماعت رام نگرم مرحوم کی تدفین کے بعد جو خالی جگہ تھی حضرت نے کسی موقعے پر

فرما دیا تھا کہ یہ جگہ میرے لیے مخصوص رہے؛ مگر حضرت کے جوان صاحبزادہ مفتی عبدالرشید رحمہ کا انتقال پرملال عین جوانی میں ہوگیا تو وہاں اس مخصوص جگہ کو جو حضرت نے اشارہ فرمایا تھا ان کی تدفین عمل میں آ گئی، اس کے بعد مولانا کی کوئی وصیت یا خواہش کا پتہ نہیں چل سکا، مشورے میں حضرت مولانا کو اپنے دیرینہ رفیق حاجی عبد الرزاق صاحب کے پہلو میں دفن کے لیے طے کرلیا گیا؛ چنانچہ جسد خاکی کو مشورے کے مطابق ٹیانری روڈ قبرستان میں حاجی عبدالرزاق صاحب کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

مولانا رحمہ اللہ کا حلیہ وسراپا

بھاری بھرکم جسم، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا بھرا ہوا خوبصورت بیضاوی چہرہ، سفید رنگ، درمیانہ قد، جسم نہایت مضبوط صحت مند، چاق و چست، سستی کا نام ونشان نہیں تھا، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی،، داڑھی گھنی اور سفید، صورت سے تفکر، چہرے سے ریاضت، اور مجاہدہ، پیشانی سے عالی ہمتی نمایاں تھی، زبان میں سلاست، مٹھاس، آواز میں قوت اور گفتگو میں جوش تھا، اس جوش سے اکثر گفتگو کا سیل رواں ایک آبشار کی سی صورت اختیار کرلیتا تھا، دو پلی ٹوپی پہنا کرتے، تہبند اور لامبا کرتا عام لباس ہوتا کبھی پاجامہ پہنتے نہیں دیکھا، پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہو کسی گہری سوچ میں ہیں اول اول ہیبت طاری ہوتی؛ لیکن ذرا ہی دیر میں انس پیدا ہوجاتا، ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے، دین کے علاوہ کچھ نہ کہتے اور نہ دین کے علاوہ سننا گوارا کرتے، ذہن صاف، بے کینہ سینہ یقین سے بھرا ہوا، معلومات خاص کر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرن صحابہ وتابعین، سلف

صالحین واولیاء اور موجودہ حالات سے متعلق وسیع سے وسیع تر جانکاری،لبوں پر مسکراہٹ ،بات کرتے تو پھول جڑھتے اور مجمع اور مجلس کو اپنی لطیفانہ گفتگو سے ہنسادیتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ کے اہل وعیال

مولانا رحمۃ اللہ کے پس ماندگاں میں آٹھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں صاحبزادے تمام کے تمام حافظ قرآن اور عالم دین اور مفتی ہیں اسکول کی تعلیم تو بس برائے نام پہلی اور دوسری جماعت تک حاصل کی ہے جیسے ہی مدرسے میں قیام کے قابل ہوگئے مدرسہ میں داخل کردیا گیا ،ایک صاحبزادے مفتی عبدالرشید صاحبؒ آپ کے سامنے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے باقی تمام صاحب زادے اور صاحبزادیاں موجود ہیں۔

(۱) مولانا طاہر قریشی صاحب ۱۹۷۲ء میں پیدا ہوئے گاؤں میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا اور معدن العلوم وانمباڑی ٹمل ناڈو سے عالمیت میں فراغت حاصل کی ،دارلعلوم دیوبند سے فضیلت اور ہاپوڑ سے افتاء کیا۔

(۲) مولانا طیب قریشی صاحب ۱۹۷۳ء میں پیدا ہوئے گاؤں میں ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا اور معدن العلوم وانمباڑی ٹمل ناڈو سے عالمیت میں فراغت حاصل کی ،دارلعلوم دیوبند سے فضیلت اور افتاء کیا۔

(۳) اہلیہ مولانا عبدالحلیم صاحب ۱۹۷۵ء داماد بھی عالم دین ہیں کاشف العلوم مرکز نظام الدین کے فارغ ہیں

(۴) اہلیہ مشتاق احمد صاحب،۱۹۷۵ء انجینیر ہیں

(۵) مفتی حسین قریشی صاحب ۱۹۷۹ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، چند ماہ سراج العلوم میسور روڈ بنگلور میں رہے پھر احیاء العلوم وانمباڑی سے حفظ مکمل کیا، عالمیت کے لیے معدن العلوم وانمباڑی اور شاہ ولی اللہ بنگلور میں چند سال رہے دارالعلوم دیو بند چھ سال رہ کر فاضل بنے پھر افتاء کی مشق کے لئے دارالعلوم حیدرآباد میں داخلہ لیا۔

(۶) مفتی رشید احمد قریشی مرحوم ۱۹۸۰ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، حفظ کے لئے بلیچور میں اسماعیل پیٹ میں داخلہ لیا پھر منبع الحسنات میل وشارم میں پنجم تک کی تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم دیو بند سے عالمیت مکمل کیا،، افتا کے لئے دارالعلوم حیداآباد میں داخل ہوئے سات مہینے کے بعد طبیعت بگڑ گئی جمادی الثانی کو گھر آ گئے رجب شعبان بیمار رہے اور رمضان المبارک میں انتقال ہو گیا۔

(۷) مفتی خلیل احمد قریشی ۱۹۸۲ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، حفظ کے لئے تحفیظ القرآن بلیچور میں داخل ہوئے، پھر منبع الحسنات میل وشارم دو سال عالمیت میں رہے پھر دارالعلوم دیو بند چلے گئے فضیلت کے بعد ہاپوڑ سے افتاء کیا

(۸) اہلیہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب ۱۹۸۴ء

(۹) مفتی سعید قریشی صاحب ۱۹۸۵ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، حفظ کے لئے تحفیظ القرآن بلیچور میں داخل ہوئے، پھر مفتاح العلوم میل وشارم میں مکمل عالمیت میں سند حاصل کی، فضیلت کے لئے دارالعلوم دیو بند میں دا

خلہ لیا اور ہاپوڑ سے افتاء کیا

(۱۰) مفتی محمد عمر قریشی ۱۹۸۷ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، حفظ اور عالمیت مفتاح العلوم میل وشارم میں مکمل کی، فضیلت کے لئے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور ہاپوڑ سے افتاء کیا، درمیان میں دوسال شاہ ولی اللہ میں بھی رہے۔

(۱۱) مفتی عقیل احمد قریشی ۱۹۸۹ء ناظرہ قرآن مجید مدینۃ العلوم رام نگرم میں مکمل کیا، حفظ اور عالمیت مفتاح العلوم میل وشارم میں مکمل کی، فضیلت کے لئے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور ہاپوڑ سے افتاء کیا۔

مفتی طاہر قریشی صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم رام نگرم کے مہتمم ہیں، دوسرے صاحبزادگان بعض تو مدینہ العلوم رام نگرم اور مدرسہ شاہ ولی اللہ میں مدرس ہیں اور بعض مدرسہ سلطان شاہ میں مدرس ہیں۔

مولانا کے بچوں کے نام حضرت جی رحمہ اللہ نے رکھے

مولانا کوئی کام بغیر مشورے کے کرنے کے عادی نہ تھے ہر کام میں مشورہ ضروری سمجھتے تھے یہاں تک کہ اپنی اولاد کا نام بھی خود سے رکھنا پسند نہیں کیا جب مولانا کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے نام لیتے اور وہی رکھ دیتے؛ چنانچہ صاحبزادوں کے نام میں یکسانیت بالکل نہیں ہے ہر نام الگ الگ ہے، جب حضرت جی وفات فرمانے کے سال ایک نواسا تولد ہوا تو اس کا نام انعام الحسن رکھ دیا پھر ایک نواسا ہوا تو حضرت جی کے ماموں مولانا اظہار الحسن صاحبؒ کے نام سے اظہار الحسن رکھ دیا۔

مولانا رحمہ اللہ کا اپنے خاندان والوں کے ساتھ سلوک

مولانا رحمہ اللہ اپنے بڑے بھائی حاجی عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم کو اپنے والد کے برابر سمجھتے تھے انھیں کی وجہ سے مولانا مدرسے میں پڑھ سکے، زندگی بھر ان کے احسان مند رہے، کبھی امیر صاحب کے علاوہ کسی اور نام سے مخاطب نہ ہوتے تھے، ان کا بہت ادب واحترام کرتے تھے جب انتقال ہوا تو مولاناؒ کیرالہ میں پیٹھ کے آپریشن کے سلسے میں زیر علاج تھے، جنازے میں شریک نہ ہوسکے واپسی کے بعد قبر کے پاس تشریف لے گئے بہت دکھی اورغم زدہ تھے اس موقع پر فرمایا تھا کہ مجھے بھی انتقال کے بعد ان کے بازو میں دفن کرنا رشتے داروں سے ملنے والے سے کہا کرتے تھے کہ وہ میرے بھائی نہیں بلکہ میرے والد تھے، جب فرزند مفتی رشید احمد کا انتقال ہوا تو ان کو بھائی کے بازو میں دفن کرنے کو فرمایا، تمام بھائی بہنوں کے ساتھ سگے ہوں یا سوتیلے یکساں سلوک تھا، ہر ایک سے ملنا اور ان کے احوال دریافت کرنا، ان کی ضرورت پر مدد، مشورے، مال سے ہمدردی سے، کبھی دریغ نہ کرتے تھے ان تمام بھائی بہنوں کے ہر کار خیر میں ہر ضرورت میں پیش پیش رہتے ، نہ صرف بھائی بہن بلکہ ان کے اولاد کی بھی مولاناؒ کی خبر گیری فرماتے رہتے تھے اور گھر کو بھی آنے جانے کا سلسلہ رہتا تھا، منجھلے بھائی منیر قریشی صاحب کا جب انتقال ہوا تو مولانا مجسم غم بنے ہوئے تھے درد والم کا ایک سمندر مولانا کے سینے میں دفن تھا؛ مگر مولانا ہیں کہ پورے صبر واستقلال کے ساتھ نماز جنازہ، تکفین وتدفین میں شریک رہے، حضرت مولانا کی حقیقی والدہ تو بچپن میں شیر خوارگی کے زمانے میں جب کہ مولانا صرف آٹھ ماہ کے نوزائدہ تھے انتقال فرما گئیں تھیں پھوپھی اور

دادی نے پرورش کی تھی ، پھوپھی کوتو مولانا اپنی ماں کی طرح سمجھتے تھے انتقال سے دو دن قبل بھی پوری رات ان کے ساتھ صلہ رحمی اور شفقت ومحبت کی باتیں کرتے رہے ،سوتیلی ماں حیات ہیں، مولاناؒ نے ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو حقیقی ماں کے ساتھ ہوتا ہے، چند سال قبل اپنی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادوں کے ساتھ حضرت مولانا نے ان کو حج پر روانہ فرمایا تھا۔

مولانا رحمہ اللہ کے معمولات

مولانا رحمہ اللہ کے خادم خاص جناب فخر الدین صاحب زید مجدہ نے مولانا کے معمولات لکھ کر بھیجے ہیں، ان کی تحریر کی نقل یہ ہے: رمضان کے مہینے میں پوری رات قرآن کریم کی تلاوت وذکر میں مشغول رہتے ،تہجد کے وقت اٹھتے اور تہجد سے فارغ ہوکر سحری نوش فرماتے ،سفر میں کتنی بھی تکان ہو تہجد ناغہ نہیں ہوتا تھا ،اوراشراق، چاشت اور اوابین کا بھی خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے جمعہ کے دن سورہ بقرہ پڑھتے اور عصر کے بعد درود شریف پڑھتے رہتے ،عام حالات میں استغفار کی بہت کثرت کرتے تھے، جب بھی سفر سے لوٹتے تو گھر نہیں جاتے سب سے پہلے مرکز سلطان شاہ تشریف لے جاتے ،مولانا کی پوری زندگی اللہ کے گھر اور مسجد میں ماحول میں گذری جب مولاناؒ کا گھر رام نگرم تھا تو اس وقت بنگلور میں مولانا کا قیام سلطان شاہ میں ہی ہوتا تھا،اور جب رام نگرم میں ہوتے تو عصر سے عشا تک کا وقت مسجد انصار میں گذرتا تھا،اور لوگ جوق در جوق مولانا سے مستفید ہوتے اور مشورے لینے دور دور سے آتے اور مولانا بھی سب کو مفید و نیک مشوروں اور نصیحتوں سے فائدہ پہونچاتے ،مولانا سخی المزاج تھے رمضان المبارک میں اپنی

طرف سے خادمین کو کپڑوں اور وظائف سے نوازتے خصوصیت سے خادم خاص فخر و کو بہت زیادہ وظیفہ دیتے، اور مولانا نے فخر و کو حج پر بھی بھیجنے کا ارادہ کیا تھا مگر سوء اتفاق مولانا اپنے محبوب حقیقی سے جاملے، جزاک اللہ احسن الجزاء (انتھی بلفظہ)

روزانہ نماز کی پابندی تلاوت ذکرو اذکار کا دوام سفر حضر میں تسبیحات وتلاوت کی خوب پابندی کرتے، اوابین اور تہجد کا اہتمام، تہجد سفر اور حضر میں کبھی ناغہ نہیں ہوئی، حج وعمرہ تبلیغی اسفار کے موقع پر تسبیحات وتلاوت اور دیگر معمولات کی بڑی پابندی فرماتے، رات بارہ بجے کبھی ایک دو بجے بھی گھر آتے تو تھوڑی دیر آرام کر کے تہجد ودعا میں مشغول ہو جاتے، جب تک پیروں میں طاقت رہی کھڑے ہو کر اور آخری دور میں بیٹھ کر اللہ کے حضور میں نمازیں پڑھ کے بلبلا کر رونے کا معمول تھا دعوت الی اللہ تعلیم وتعلم عبادت واطاعت، شریعت وسنت کی پیروی اور کامل اتباع فطرت ثانیہ بن گئی تھی، دعوت وتبلیغ کی مروجہ مبارک محنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا پوری زندگی اسی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے گذاردی، جوانی ادھیڑپن، پیرانہ سالی، بیماری، اعذار کسی کو بھی اس کام کی تکمیل کے لیے حائل ہونے نہیں دیا، شہر بیرون شہر، ضلع، صوبہ، ملک، بیرون ملک، جہاں بھی مشورے سے طے ہوا، ہمیشہ لبیک کہہ کر چلتے رہے، سن ۱۹۶۲ء میں بنگلہ والی مسجد میں داخلہ لیا تھا اور وفات ۲۰۱۶ء کو ہوئی اس مرد مومن فنا فی الدعوت والتبلیغ نے اپنی طالب علمی کے دور سے لے کر اپنے وصال تک تو تقریبا پچپن سالوں کا طویل عرصہ فنا فی الدعوۃ رہے، اور سب سے خصوصی بات تو یہ تھی اتنی مصروفیت کے باوجود مطالعہ کی خاص عادت تھی مولانا کا کتب خانہ گھر میں بھی تھا اور مرکز سلطان شاہ میں بھی تھا، جس میں مختلف

فنون کی کتابیں تھیں جو مستقل زیر نظر رہا کرتی تھی۔

مدارس کی سرپرستی اور سنگ بنیاد

جنوبی ہند کے سینکڑوں مدارس کی سرپرستی فرماتے رہے، اور دسیوں مدارس وہ ہیں جس کی سنگ بنیاد حضرت والا نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔

مدینۃ العلوم رام نگرم کی تاسیس

مولانا رحمہ اللہ نے پورے کرناٹک بلکہ پورے جنوبی ہند، ملک و بیرون ملک میں پتہ نہیں کتنے مدارس کے وجود کا ذریعہ ہیں، کتنے ہی علمائے کرام کے لیے خدمت کا میدان دیا ہے، صوبے کے علما سال لگا کر مولانا سے مشورہ لیتے تھے مولاناؒ ان علما کو مختلف مدارس و مکاتب، مساجد میں تقرر فرماتے، حضرت مولانا خود بھی رام نگرم میں مقامی حضرات کو لے کر مدرسہ مدینۃ العلوم کو قائم فرمایا اور مولانا تا دم زیست اس کے سرپرست اور نگران رہے۔

تبلیغی اجتماعات

مولانا رحمہ اللہ نے زندگی کا بیشتر حصہ بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات میں کلیدی خطابات کرتے ہوئے گزاردی اور اختتامی دعا تو مولانا کے لیے خاص تھا مولانا کی دعا پر مجمع دھاڑیں مار مار کر روتا تھا مولانا کی فکرمندی اور قربانیوں اور آہ وزاری کو امت بہت قریب سے محسوس کرتی تھی، اور اجتماعات میں ہزاروں نکاح مولانا سے انجام پاتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کا انداز بیان

مولانا رحمہ اللہ کے بیانات پوری چاشنی لئے ہوئے ہوتے تھے، ہر ایک کے لئے اس میں عبرت اور موعظت ہوتی تھی اور لوگوں کے مزاج کے مطابق بیان کرنا مولانا کی ایک خصوصی عادت تھی، اور دین کو سمجھانے کا انداز بے حد نرالا تھا ان علاقوں میں جہاں دعوت وتبلیغ کی مخالفت ہوتی تھی وہاں پر تو مولانا کا بیان دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کے مترادف ہوتا تھا اور ساتھ میں مثالیں اور واقعات اس نداز سے جوڑتے چلے جاتے کہ سب لوگ، حیران وششدر ہوجاتے اور بعد اس پر بڑی خوشی کا اظہار کرتے بات بھی سمجھ میں آگئی اور مخالف عوام کو برا بھی نہیں لگا مولانا اپنے منفرد اور انوکھے طرز سے بڑی آسانی کے ساتھ دلوں کو موم کردیتے تھے اہل عرب کو عام فہم انداز میں سیدھی بات سمجھاتے تھے، اہل عرب مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، مولانا کو دیکھ کر تعظیما کھڑے ہوجاتے تھے، پڑوس ملک کے حاجی عبد الوہاب صاحب دامت برکاتھم (حضرت کا سایہ ہمارے سروں تادیر قائم رکھے) مولانا کے بیان کو بہت پسند فرماتے تھے، پہلے اجتماع میں مولانا کا بیان ہو ا تو حاجی عبدالوہاب صاحب نے مولانا رحمہ اللہ کے الہامی واستدلالی بیان کو سن کر دوسرے اجتماع میں بھی مولانا کا بیان طے کروادیا۔

مولانا رحمہ اللہ کے اخلاق

سادہ طبیعت، ہنس مکھ چہرہ، بلند اخلاق، ہر ایک کے مقام کا لحاظ رکھنے والے خلیق وملنسار، محبت کے ساتھ گفتگو کرنے والے، سخی، دریا دل، شیریں گفتار، عالم باعمل، امت کے لیے فکر مند، مقرر شعلۂ بیان، تواضع، محبت، اور کریمانہ صفات سے

آراستہ وسعت اخلاق، مزاج ولباس کی سادگی، شکل وصورت کے سادہ۔

دنیا سے بے تعلقی

قاضی ہارون صاحب رشادی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ہمارے ایک ساتھی مفتی صاحب جو امریکہ میں مقیم ہیں جب وہ چھٹیوں میں انڈیا آئے تو وہاں پر ایک صاحب نے مفتی صاحب کے ہاتھ ایک لفافہ دیا اور دے کر کہا کہ: یہ مولانا قاسم قریشی صاحب کو پہنچادو! مفتی صاحب نے سمجھا کہ کوئی خط ہے حضرت قریشی صاحب رحمہ اللہ نے مفتی صاحب کی موجودگی ہی میں لفافہ چاک کیا تو دیکھا اس میں امریکی ڈالرس ہیں، تو فوراً حضرت نے وہ ڈالر اسی لفافے میں ڈال کر کہا کہ یہ ڈالر انھیں کو واپس کردو اور میرا سلام سناؤ! یہ تھی اللہ والوں کی شان۔

نمازوں کا اہتمام

مولانا رحمہ اللہ کی زندگی میں تکبیر اولی کا بہت اہتمام تھا، انتقال سے ایک دن پہلے جمعہ کے دن مولانا نے مرکز کے امام صاحب سے کہا کہ آج عصر ساڑھے پانچ پر پڑھادو (امام صاحب کا بیان ہے کہ مولاناؒ پوری زندگی میں ایسی بات کبھی نہیں کہی تھی)، میں ابھی وضو نہیں کیا ہوں، امام صاحب نے کہا حضرت میں وضو کرا دیتا ہوں تو فرمایا آپ عالم ہو امام صاحب ہو، میں آپ سے خدمت نہیں لے سکتا فخرو (حضرت کے خادم) کو بلادو، ایک ساتھی نے کہا حضرت آرام فرمالیجئے چھ بجے نماز پڑھ لیجئے تو فرمایا جماعت کے وقت مسجد میں سوجاؤں مناسب نہیں ہے۔

نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام تھا، اور سنتوں کی ادائے گی میں بھی بہت اہتمام تھا، رمضان اور غیر رمضان سب میں ایک ہی قسم کی پابندی تھی۔

قاضی ہارون صاحب رشادی دامت برکاتھم نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:
الحمدللہ آپ نے پوری زندگی سادگی کے ساتھ گذاردی اور نمازوں کا بہت اہتمام تھا، جب آپ کا آپریشن کوئمبتور کے مشہور ہاسپٹل میں ہوا تھا، اس وقت عیادت کے سلسلے میں جانے کا موقع ملا، ڈاکٹروں نے آپ کو لیٹ کرر ہنے کا مشورہ دیا تھا، غالبا نماز عصر کے وقت میں حاضر ہوا تھا، آپ نے تیمّم کر کے نماز ادا کی تھی ،سخت بیماری میں بھی نماز ترک کرنا آپ کو گوارا نہ ہوا،

فرائض وسنن کے علاوہ اوابین اور تہجد کی بھی بہت پابندی تھی ،تہجد تو کبھی بھی ترک نہیں فرماتے تھے پوری پوری رات سفر فرمانے کے باوجود تہجد کے وقت میں نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہ سحر گاہی

کرامت

قاضی ہارون صاحب رشادی نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ:
آپ کی زبان میں اللہ تعالی نے عجیب تاثیر بخشی تھی ،طالب علمی کے زمانے میں ہم چند رفقانے داونگرے کے اجتماع میں شرکت کی اور وہ اجتماع بڑے حالات کے بعد منعقد ہوا تھا، مولانا کی تقریر ہو رہی تھی ،اچانک زوردار بارش شروع ہوگئی ،سارا مجمع پریشان ہوگیا، مولانا نے بارش روکنے کے لئے دعا پڑھائی تو اللہ تعالی نے آپ کی دعا سن کر بارش روک دی اور ماحول پرسکون ہوگیا۔

مولانا رحمۃ اللہ کی ایک اور کرامت

ڈاکٹروں کے آرام کرنے کے مشورے کے باوجود آپ اپنی صحت کی پرواکئے بغیر دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے تقریر کرتے تھے،اور آپ کی آواز خطاب کی ابتدامیں جیسی بلند رہتی،اخیر خطاب تک بھی ویسی ہی بلند رہتی تھی،یہ تو مولانا رحمۃ اللہ کے آخری زندگی کا حال تھااور ابتدائی زندگی کے بیانات کا حال کیا ہوگا اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

روحانی قوت

اللہ تعالی آپ کو روحانی طاقت سے بھی خوب نوازا تھا۔ڈاکٹروں نے بولنے پر پابندی لگادی تھی ہمیشہ آرام کا مشورہ دے دیا تھا،اس کے باوجود مولانا کو جب تک ہمت رہی کبھی بھی بیانات اور اجتماعات میں شرکت سے گریز نہیں کیا دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے تقریر کرتے تھے،یہ مولاناؒ کے ساتھ اللہ کا ایک خاص معاملہ تھا جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

ع: مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ،کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

بے نفسی

مولانا رحمۃ اللہ پوری زندگی جاہ ومرتبہ کے فتنے اور اس کی طلب سے کوسوں دور رہے،کبھی بھی اپنے لیے امتیاز کو پسند نہیں کیا سب کے ساتھ رہنا سب کے ساتھ چلنا پسند کرتے تھے اور،شوری کے تابع رہتے تھے کبھی کوئی فیصلہ خود سے کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے،اس لائن میں رہتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ نے اپنے آپ کو مٹا دیا تھا،حضرت مولانا ایوب صاحب رحمانی مدظلہ،اپنے ایک بیان میں یہ واقعہ

ذکر کیا کہ مولاناؒ کے انتقال سے چودہ سال پہلے ۲۰۰۴ء میں گڑیاتم کا اجتماع مشورے سے رحمانی صاحب کے مدرسے دارالعلوم سعیدیہ گڑیاتم میں طے کر دیا گیا اس وقت حضرت امیر شریعت قبلہ دامت برکاتھم سفر میں تھے وہ اجتماع میں شریک نہ ہو سکے، مولانا قاسم قریشی صاحبؒ اور دیگر حضرات شریک ہوئے ہم نے علماء اور اکابرین کے کمروں پر ان کے نام کی تختیاں آویزاں کر دینا مناسب سمجھا تاکہ ملاقات کرنے والوں کو ملاقات میں آسانی رہے، جب سب کمروں پر نام کی تختیاں لگا دی گئیں اور اکابرین قدم رنجہ ہونے لگے تو مولانا قاسم قریشی صاحب بھی اپنے کمرے تشریف لائے، مولانا کے ساتھ میں بھی تھا مولاناؒ نے اپنے نام کی تختی کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ نقش کالحجر کی طرح آج بھی میرے سینے میں محفوظ ہے مولانا اپنے نام کا کاغذ اپنے ہاتھوں سے نکال لیا میں نے کہا حضرت لوگوں کو ملاقات میں سہولت کے لیے ہم نے ایسا کیا تو فرمایا: ''قاسم اتنا قابل نہیں ہے کہ اس کے دروازے پر اس کا نام لکھ دیا جائے'' مولانا کی بے نفسی تھی وہ اپنے کو سب سے کمتر اور حقیر سمجھتے تھے اور یہی عاجزی اور بے نفسی مولانا کو سب سے اونچائی پر لے گئی۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانا خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

وقت کی پابندی

مولانا رحمۃ اللہ کے پاس وقت کی پابندی بہت ضروری تھی کبھی اپنے دئے ہوئے وقت سے تخلف نہیں کیا جو وقت طے ہو گیا اس کے مطابق پہونچ جانا یا وہ کام کر دینا مولانا کی فطرت ثانیہ تھی۔

ایک مرتبہ پینتالیس آدمیوں کی جماعت شہر پرنامبٹ وگڑیاتم سے نکل کر بنگلور آئی، فریزرٹاؤن میں قیام تھا جماعت کے احباب مولانا سے ملاقات کے لیے سلطان شاہ جانا چاہتے تھے تو مولانا ان کو وہیں روک دیا اور دوسرے دن گیارہ بجے خود ملنے وہاں پہونچنے کی بات کہی، دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے مولانا پہونچ گئے۔

حضرت مولانا کے انتقال سے چار دن پہلے منگل کے مشورے میں مولانا سے عرض کیا گیا کہ حضرت! سلطان شاہ کے طلبہ کی بسم اللہ خونی کرادیجئے اور ہر سال مولانا ہی بسم اللہ خوانی کراتے ہیں مولانا نے کہا کونسا وقت؟ بتایا گیا بدھ کے دن ،مولانا نے کہا: میں ظہر میں آجاتا ہوں، مولانا ٹھیک ظہر میں آگئے۔

ایسے دسیوں واقعات ہیں جو مولانا کی پابندی اوقات کو بتاتے ہیں

مولانا رحمہ اللہ کو خلافت ملی

مولانا رحمہ اللہ نے دعوت کے ساتھ ساتھ دعوت کا ایک اہم اور ضروری بلکہ جزو لاینفک شعبہ تصوف وسلوک سے بھی پوری زندگی وابستہ رہے ،تصوف وسلوک تو ایک ایسی اہم اور ضروری چیز ہے کے اس کے بغیر دین کی کوئی خدمت بلکہ اپنے اوپر عائد احکام الٰہی بھی کما حقہ ادا نہیں ہو سکتے، سب سے بڑے داعی اور مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور سورہ مزمل میں اللہ رب ذوالجلال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا (اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات میں نماز میں کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس نصف سے کسی قدر کم کردو) اس کے بعد مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی روحانی ترقی اور محنت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا: وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا

جَمِیۡلاً (یہ لوگ جو جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ) ہر داعی کو اور دینی خدمت سے منسلک ہر فرد بشر کو سورہ مزمل اور اس جیسی آیتوں اور سورتوں کو علماء سے پڑھنا اور سمجھنا چاہئے مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کو حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتھم بن شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے خلافت ملی ہوئی ہے اور حیدرآباد کے امیر عالی جناب نعیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے بھی خلافت دی ہے۔

علما کا احترام

مولانا رحمہ اللہ کبھی عالم یا حافظ سے خدمت لینا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، عالم یا حافظ سے خدمت لینا ان کی بے ادبی شمار کرتے تھے اسی کے ساتھ ان کی ہمدردی اور خیر خواہی سے کنارہ کشی بھی ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے اور خصوصا بزرگ وسرکردہ علماء کا ادب واحترام فرض عین سمجھتے تھے امیر شریعت قبلہ دامت برکاتھم کو جماعت والوں سے ہمیشہ شکایت رہتی ہے کہ جماعت کے ساتھی سبیل الرشاد کو مطلب سے آتے ہیں اور طلبہ کی تشکیل کر کے چلے جاتے ہو پھر سال بھر خیریت دریافت کرنے نہیں آتے ،اس کا ذکر مولانا رحمہ اللہ سے کیا گیا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کی ناراضگی بجا ہے حق تو یہ ہے کہ ہم کو سال میں ایک دو مرتبہ تو ان کے پاس جانا چاہئے ،مولانا ریاض صاحب دامت برکاتھم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کم از کم تم تو جاتے ہمارا نمائندہ بن کر، پھر فرمایا: دعوت پر، سبیل الرشاد کا، بڑے حضرتؒ کا ،اور حکیم الملت کا بہت بڑا احسان ہے، سبیل الرشاد بہت بڑی نعمت ہے اور مفتی صاحب بہت بڑی نعمت ہیں پورے ہندوستان میں کوئی ہستی ایسی

نہیں ملے گی جو پچاس سال سے زیادہ بخاری پڑھا رہے ہوں، حضرت مفتی صاحب بڑے ہیں ہم گستاخ ہوگئے ہیں، مفتی صاحب کے پاس نہیں جاتے۔

عصر کا وقت تھا وضو کرنا ابھی باقی تھا مولانا ریاض صاحب نے پوچھا حضرت میں وضو کرا دیتا ہوں تو فرمایا آپ عالم ہو امام صاحب ہو، میں آپ سے خدمت نہیں لے سکتا پھر مولاناؒ نے اپنے خادم کے ذریعے وضو فرمایا۔

مولانا کی قابل تقلید خوبیاں

حضرت کے انتقال کی خبر مغرب سے پہلے جیسے ہی جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور کو پہونچی تو مفتی شعیب اللہ خان صاحب نے قرآن خوانی کروا کر دعا فرمائی: وہ دعا خود مولانا کی زندگی کے بہت سارے خصوصیات کو ظاہر کرتی ہے۔

مشورے کی پابندی

مشورے کی تابعداری اور اس کی پابندی مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت تھی، وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کی جیتی جاگتی تصویر تھے، مولانا کے اجتماعات کے اسفار اور حج وعمرے کے اسفار مشورے والے طے کرتے تھے۔

مرکز سلطان شاہ کے امام مولانا ریاض احمد صاحب دامت برکاتہم نے اپنے مدرسہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ۱۴۳۷ھ ۱۲/۱۳ شوال کو مدرسے میں طلبہ کے داخلے کی کاروائی مکمل ہوگئی تھی) تو مولانا ریاض صاحب نے مولانا قریشیؒ سے عرض کیا کہ حضرت! طلبہ کی بسم اللہ خونی کرا دیجئے! اور ہر سال مولانا ہی بسم اللہ خوانی کراتے ہیں مولانا نے کہا: بہت سارے علما ہیں ان سے کرا دو! میں با صرار کہا تو مولانا نے کہا کونسا وقت؟، میں نے کہا بدھ کے دن یعنی کل (مدارس میں عموماً بدھ

کے دن اسباق شروع کرواتے ہیں) مولانا نے کہا: میں ظہر میں آجاتا ہوں ،مولانا ٹھیک ظہر میں آگئے ،اس دن سلطان شاہ میں جماعتیں نہیں تھی ،اورنمازوں کے بعد جماعتوں کا اعلان بھی میں ہی کرتا ہوں ،ظہر کی جماعت میں صرف پانچ منٹ تھے ،میں اگر مصلے کے پاس جاتا ہوں تو لوگ صفیں بنالیتے ہیں ،اس لئے میں مصلے کے پاس جانے کے بجائے مولانا رحمہ اللہ کے پاس چلا جاتا ہوں اور مولانا کو ساتھ لے کر مصلے کے پاس آتا ہوں ،جب مولانا رحمہ اللہ کے پاس گیا تو مولانا نے پوچھا،مولوی صاحب! مشورے کے ساتھی سے بسم اللہ خوانی کی اجازت لئے؟ میں نے اجازت لے لی تھی۔مولانا رحمہ اللہ ایسے معاملے بھی بغیر مشورے کے کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔

جہد مسلسل

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس آدمی کو تین چیزیں مل گئی اسے پوری خیر وسعادت مل گئی لسان ذاکر،قلب شاکر،مجاہدے والا بدن اور تلاوت

مولانا رحمہ اللہ نے جب سے ہوش سنبھالا اللہ غیبی طور سے مولانا کے لئے یہ صفات آسان بنادیا

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی عزیمت اور جہد مسلسل میں گذاری ہے،عید کے دن کیرالا کے احباب مشورے کے لیے آگئے مولانا ریاض احمد صاحب مدظلہ نے مولانا رحمہ اللہ سے کہا یہ لوگ عید سے پہلے آتے یا عید کے بعد آتے تو بہت بہتر تھا اور عید کا دن تو خوشی کا دن اور چھٹی کا دن ہوتا ہے اور آپ اس دن تو کم از کم گھر میں رہتے تو مولانا نے کہا کہ ہماری عید سے پہلے دن ان کی عید ہوتی

ہے، بھلا وہ کیسے آپائیں گے، عید کا دن بھی مولانا نے امت کے لیے دے دیا تھا۔

مولانا رحمہ اللہ کی ایک عادات

حضرت مولانا رحمہ اللہ کسی کی غیبت سننا پسند نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک صاحب کسی کی شکایت کرتے رہے جب وہ شکایات غیبت کے حدود کو پہونچنے لگی تو مولانا رحمہ اللہ نے بات روک کر کہا ہمارے پاس نیکیاں ہیں ہی نہیں کہ انھیں دے دیں، دروازہ کھلا ہے آپ چلے جائیے۔

مولانا رحمہ اللہ کا دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا ان کے دل میں کسی سے بھی متعلق ذرا برابر بھی کجی نہیں تھی، مولانا کی نظر میں سب برابر تھے، جو بھی مولاناؒ سے ملتا ان کے اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

سب کی فکر کرتے تھے

مرکز سلطان شاہ میں علماء کی آمد ورفت کثرت سے ہوتی رہتی ہے، بعض علماء کچھ خاص ضروریات سے آتے ہیں تو مولانا رحمہ اللہ ان کا خاص خیال فرماتے ان کے حالات دریافت فرماتے رہتے تھے، ان کے بعض مسائل مشورے کے ساتھیوں کے حوالے بھی کر دیتے اور ساتھ میں دریافت بھی کرتے رہتے کہ کہ فلاں عالم آئے تھے ان سے بات ہوئی کیا؟ ان کا فلاں مسئلہ تھا اس کے حل کی شکل بن گئی ؟ وغیرہ۔

جب کسی عالم یا حافظ کے تقرری کا مسئلہ ہوتا تو مرکز کے امام سے کہتے کہ ساری کمیٹی کو بلالو اور مرکز سلطان شاہ میں طے کر کے انھیں سمجھا کر بھیجو اور کمیٹی والوں کو خصوصیت اس بات کا خوگر بناتے کہ عالم حافظ کی غلطیوں سے صرف نظر

کریں۔

مولانا ریاض صاحب دامت برکاتھم اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں : جب انکی فراغت ہوئی تو سلطان شاہ کی کمیٹی کے پانچ افراد، حضرت مولانا رحمۃ اللہ اور حاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم کی خدمت میں پہونچے اور مولانا ریاض صاحب کو اپنی مسجد میں امامت کے لیے طے کرنے کی درخواست کی تو مولانا نے اس وقت کمیٹی والوں سے کہا کہ دیکھو! آپ لوگ اس مسجد کے پانچ ٹرسٹی ہیں اور یہ ہمارے مولانا تمہارے میں کے چھٹے ٹرسٹی ہیں، اوران کو عالم کا مقام ومرتبہ سمجھا کر رخصت کیا اور مولانا ریاض صاحب سے کہا کہ :مولوی صاحب ! تم ان سے کوئی امید وابستہ نہ رکھنا ،اپنے تعلقات اللہ سے رکھو،ان کے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں اور وہ دے بھی نہیں سکتے۔

نمازوں کے وقت سونا ممنوع سمجھتے تھے

مولانا رحمۃ اللہ کے انتقال سے ایک دن پہلے ایک ساتھی نے کہا مولانا کی طبیعت کے اضمحلال کو دیکھ کر مولاناؒ سے کہا کہ حضرت آرام فرما لیجئے اور عصر کی نماز چھ بجے نماز پڑھ لیجئے تو فرمایا جماعت کے وقت مسجد میں سو جاؤں مناسب نہیں ہے ۔

سوڈان میں دعوت وتبلیغ کا احیاء

مولانا رحمۃ اللہ نے سوڈان میں ایک سال لگایا،سوڈان والے کہتے ہیں کہ ہمارے سوڈان میں دعوت کی محنت اٹھنے کا ذریعہ دو مولانا تھے ایک امیر شریعت دامت برکاتھم کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہؒ اور اور

دوسرے مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ ہیں، ان دونوں کی مسلسل محنتوں نے سوڈان میں دعوت وتبلیغ کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔

مولانا رحمہ اللہ دعوتی صفات کے حامل تھے

دعوت کی سرگرمیوں کو سامنے رکھ کر کبھی عبادت سے جی نہیں چراتے تھے، اور پورے صفات مولانا رحمہ اللہ کے اندر تھے اور یہ بات ان کے ذہن میں ہمیشہ مستحضر رہتی تھی دعوت کی تاثیر صفات میں پوشیدہ ہے ورنہ بغیر صفات کے دعوت اپنے لئے حجت ہے داعی کے صفات وہی ہیں جو قرآن حدیث میں انبیاء وصالحین کے اخلاق میں بیان کیے گئے ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کے دعوتی اسفار

مولانا رحمہ اللہ نے دعوت وتبلیغ کی محنت کو لے کر دنیا کے بیشتر ممالک کا سفر کیا: قطر، کویت، لبنان، صومالیہ، اور پڑوس ملک، الجیریا (الجزائر) سوڈان مصر، سعودی عرب، ملک شام، قطر، شارجہ، دوبئ، فلسطین، اور یمن، انڈونیشیا ملیشیا سمیت دیگر کئی ممالک شامل ہیں مکمل اسفار کی فہرست بڑی طویل ہے۔

پچیس ممالک سے تعزیتی پیغامات

مولانا رحمہ اللہ ایک عالمی شخصیت تھے، مولانا رحمہ اللہ کے انتقال پر پچیس ممالک سے تعزیتی پیغامات واٹس اپ سے موصول ہوتے رہے، ہر ایک افسوس اور درد کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت

مولانا رحمۃ اللہ نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے بند مٹھی کی طرح تھے، ہمہ جہت کے حامل تھے ،سب سے ممتاز تھے۔مولانا رحمۃ اللہ مدارس ،مکاتیب ،خانقاہیں اور دین کے دیگر شعبوں کی بھرپور تائید کرتے تھے،مولانا ابراہیم دیولا صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں کہ جیسے نماز میں قیام ہے،قرأت ہے رکوع ہے سجدے ہیں ان میں تعارض نہیں ہے،سب کام ترتیب سے پورے کرنے ہیں،اسی طرح دین کے شعبے ہیں ،اور یہ امت ،امت وسط ہے اعتدال پسند امت ہے ،ساری چیزوں کو لے کر چلنے کی امت ہے۔مولانا قریشیؒ اس کے عملی مظہر تھے،دور سے دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ مولانا رحمۃ اللہ صرف دعوت وتبلیغ کی محنت تک محدود ہیں ؛مگر ایسا نہیں تھا قریب میں آئیں گےتو معلوم ہوگا کہ حضرت سب کے لیے تھے ،صرف دعوت والوں کے نہیں تھے۔مولانا رحمۃ اللہ کے پاس مدارس ۔مساجد اور دیگر جھگڑے اور تنازع لے کر لوگ دوردور سے فیصلے کے لیے آتے تھے ،اللہ نے مولاناؒ سے ہر جہت میں کام لیا ؛مگر ان کا عملی میدان دعوت وتبلیغ کا تھا اور ان کا ذہن آفاقی تھا جس میں ہر ایک کے لیے گنجائش تھی۔

تنازع کے فیصلے

ابوالخیر مولانا سید حمد اللہ بختیاری صاحب دامت برکاتھم بانی ومہتمم مدرسہ نعمان بن ثابت للبنات بنگلور نے ایک واقعہ مجھ سے بیان کیا کہ ٹمکور کی ایک مسجد میں کمیٹی کے احباب جھگڑ بیٹھے اور جھگڑا قابو سے باہر ہوگیا بختیاری صاحب نے مرکز سلطان شاہ میں مولانا رحمۃ اللہ سے سارا وقعہ ذکر فرمایا اور تنازع کے دور کرنے کی

درخواست کی ،بختیاری صاحب کہتے ہیں بعد میں وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جھگڑے کے دوسرے مہینے مولانا رحمہ اللہ کو وہاں تبلیغی جوڑ کے سلسلے میں جانا ہوا تو وہاں کمیٹی کے احباب کو جوڑ کران کے مسائل کے حل اور تنازع کے ختم ہو جانے کے لئے عمدے مشورے اور لائحہ عمل پیش کیا ،بختیاری صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے مجھے مولاناؒ سے دلی محبت پیدا ہوگئی۔

ایسا ایک واقعہ نہیں دسیوں واقعات ہیں آپ امت کے مسائل کے لیے بہت فکرمند رہتے تھے، کسی نے کوئی تقاضا رکھا تو اس کو یاد رکھ کر اس کو پورا کرنا مولانا کی ایک بہترین عادت تھی اور اسی عادت نے لاکھوں لوگوں کو مولانا کا گرویدہ بنالیا تھا۔

مولانا رحمہ اللہ کی عدل پسندی

مولانا رحمہ اللہ کبھی بھی ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہیں کرتے تھے خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جامعۃ القرآن ہرپن ہلی ضلع داونگرہ کا مدرسہ حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب کی سرپرستی اور بندے کی نگرانی میں چار سال سے چل رہا ہے، مدرسے کے لیے آدھی ایکڑ سے زیادہ زمین ملی ہوئی ہے: مگر اس زمین کا رجسٹریشن باقی تھا تو مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس میں تعمیری کام شروع کرنے سے منع کردیا تھا تو گاؤں کے امیر جماعت تبلیغ حضرت علی صاحب نے اپنی بہن کی جگہ میں تعمیر شدہ مسجد میں مدرسہ چلانے کا مشورہ دیا اور خود بھی مدرسے کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے کام کرنے لگے، جب مدرسے کے اساتذہ اور گاؤں والوں کی شکایتیں موصول ہوتی رہی تو داونگرے اور بنگلور حلقہ عمر نگر کے ذمہ داروں نے مدرسہ اس عارضی جگہ سے ختم کر کے وقف شدہ زمین پر منتقل کردینے کا

فیصلہ کردیا؛ چنانچہ چالیس دن کے اندر اس زمین کو صاف کر کے وہاں تین کمرے بنا لیے گئے، اور رمضان بعد اس جگہ مدرسہ منتقل کرنے کا پورا کام ہو گیا، جب مدرسے کے سامان کی منتقلی کا وقت آیا تو امیر صاحب کے ساتھیوں نے کمرے کو مقفل کر دیا اور سامان دینے سے منع کر دیا، جب یہ بات ضلع کے ذمہ داروں کے سامنے رکھی تو انہوں نے امیر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو بہت سمجھایا اور گاؤں والوں سے درخواست کی کہ آپ صوبے کے ذمہ داروں سے مسئلہ کا حل نکالو، گاؤں سے ایک وفد منگل کے مشورے میں مولاناؒ کی خدمت میں پہونچا، اور بندہ بھی مشورے میں حاضر ہو گیا مولانا نے ہماری بات کو بڑی سنجیدگی سے لیا پوری بات سننے کے بعد ہم لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ امیر جماعت حضرت علی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو بھی ساتھ میں لے آتے تو مسئلہ ابھی حل ہو جاتا۔ ہائے افسوس یہ منگل کا ہفتہ واری مشورہ مولانا کی زندگی کا آخری مشورہ تھا، پھر اس سلسلے میں آگے کوئی پیش رفت نہ ہو سکی اور نہ بار آور کی کوئی امید ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کی عدل پسندی تھی کہ انہوں نے ایک طرفہ بات سن کر فیصلہ نہیں کیا بلکہ دوسرے فریق کو بھی لانے کی بات پر فیصلہ موقوف رکھا۔

ہر مسلمان سے دلی محبت

مولانا رحمہ اللہ ہر ایک کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے، اور جب بھی کوئی ملتا بڑی خوشی کے ساتھ پیار و محبت سے بات کرتے تھے ملنے والے کو ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت رحمہ اللہ مجھ سے ہی یہ والہانہ شفقت و محبت کا معاملہ کرتے ہوں گے، مگر آپ کی عجیب شان کہ اللہ تعالی نے آپ میں محبت، چاہت اور اخلاص

کوٹ کوٹ کر اتنا بھر دیا کہ ہر آدمی، ہر ملاقات کرنے والا یہی اثر لے کر نکلتا تھا کہ حضرتؒ صرف اسے ہی محبت کرتے ہیں، امیر ہو یا غریب شہری ہو یا دیہاتی ملک کا ہو یا بیرون ملک کا عام آدمی ہو یا خاص، نئے ساتھی ہو یا پرانے ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

مولانا رحمہ اللہ کی خواہش

مولانا کی خواہش تھی کہ مدارس کے جلسے میں شرکت کروں؛ پھر فرماتے کہ اگر کسی مدرسے میں شرکت کرلیا تو پھر سال بھر مدارس والے پیچھے پڑ جائیں گے، اور ہمارا کام اور مشورے کی مصروفیت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

راجھستان والوں نے بخاری کے جلسے میں مولاناؒ کو مدعو کرنا چاہا تو فرمایا کہ اگر ہم وہاں جائیں گے تو پھر دوسرے لوگ نہیں چھوڑیں گے پورا سال ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔

مولانا رحمہ اللہ کی ایک مبارک عادت

مولانا رحمہ اللہ اس بات کے سختی سے مخالف تھے کہ کوئی مدرسہ کا طالب علم تعلیمی سلسلہ ترک کر کے جماعت میں جائے، اگر کوئی طالب علم پڑھائی چھوڑ کر جماعت میں جانے کا خواہش مند ہوتا تو اسے روکتے تھے اور مدرسے کی تعلیم کی طرف رغبت دلاتے اور سو روپئے دے کر مدرسے کو بھیجتے تھے، مولانا کی فہمائش سے سینکڑوں طلبہ حافظ اور عالم بن گئے، اور دسیوں کی مولانا رحمہ اللہ نے کفالت فرمائی ہے۔

مولوی سراج الدین متعلم دورۂ حدیث مسیح العلوم بنگلورے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

نے اپنے بھائی مولوی صلاح الدین جونعت خوانی میں مہارت بھی رکھتے ہیں انہوں نے مدینۃ العلوم رام نگرم میں عالمیت مکمل کرنے کے بعد تعلیمی سلسلہ منقطع کردینا چاہتے تھے،مولانا رحمہ اللہ کواس کی خبر ہوئی تو مولانا نے ان کو بلاکر سمجھایا اور کچھ رقم ہاتھ میں دی اور کہا کہ تمہاری ٹکٹ دارالعلوم دیوبند جانے کے لیے بن جائے گی اور ماہانہ ہزار ہزار روپیہ بھی تمھیں مل جائے گا دیوبند جانے کی تیاری کروابھی ایک دوسال اور پڑھ لو! چنانچہ مولانا نے ٹکٹ بنوا کردے دیا،اب وہ دیوبند میں زیر تعلیم ہیں اور مولانا اس واقعے کے بیس دن ہی بعد اپنے مولائے حقیقی سے جاملے۔

اللھم اغفر لہ ولنا

جس کی ایک ایک بات تھی روح بلالی کی اذان
جس کے رگ رگ میں تھی سوز ودرد کی چنگاریاں

آج بھی مولانا زندہ ہیں

حضرت مولانا ریاض صاحب دامت برکاتھم نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا بیٹھے ہوئے ہیں میں تعزیتی خط لکھ رہا ہوں اور دوسرے ساتھی سے کہا اس کو دیکھ لو تو انہوں نے کہا کسی ایک نام سے کیوں تعزیتی کلمات لکھ رہے ہو؟ سب کے نام سے لکھو! مولاناؒ سفید لنگی،سفید کرتے میں تھے،میں نے پوچھا مولانا آپ کہاں گئے تھے آپ تو یہاں نہیں ہیں (میرے ذہن میں تھا کہ آپ انتقال فرما چکے ہیں) مولانا نے کہا: میں تو نہیں گیا! مولوی صاحب! میں تو یہیں ہو ں،میں لشکر حلقے کو گیا تھا میں آرام سے ہوں، پھر مولانا اٹھے،اور بغیر سہارے کے عصا اور ویل چیر والی کرسی کے بغیر چلنے لگے۔

بالکل صحیح ہے مولانا آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں ،انھوں نے جن محنتوں اور قربانیوں سے دعوت کے کام کو سینچا ہے وہ قابل تقلید اور قابل مبارکباد ہے اور لوگ انھیں ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔

میری بے تاب آنکھیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں گلشن میں
صبا تو نے کہاں لے جا کے خاک آشیاں رکھ دی

باب سوم

مضامین

آہ! حضرت مولانا قاسم قریشی

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی

حضرت اقدس مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتھم

آہ! حضرت مولانا قاسم قریشی علیہ الرحمۃ آج ہم میں نہیں رہے، وہ لاکھوں عقیدت کیشوں کو داغ مفارقت دے گئے، بے شمار علاقوں میں اور لاکھوں انسانوں کے قلوب میں ہدایت کا چراغ جلا کر راہی ملک بقاء ہوئے۔

یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ دنیا کی مثال ایک سرائے جیسی ہے، جہاں ایک جانب انسانوں کا سلسلۂ ورود ونزول ہردم و ہر آن جاری رہتا ہے،تو دوسری جانب ہر دم سلسلۂ خروج و ذہاب بھی اسی طور پر چلتا رہتا ہے،لہذا یہ تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ کسی انسان کا انتقال ہوجائے، یہ تو روز کا تماشا ہے کہ دنیا میں لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں،کوئی اس سے مستثنی نہیں،اس میں شاہ و گدا، امیر وغریب ، جاہل و عالم ، بڑا و چھوٹا سب برابر ہیں؛ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر آنے و جانے والا یکساں نہیں ہوتا،کوئی آتا اور جاتا ہےتو اس کے آنے و جانے سے نہ کسی کو

نقصان پہنچتا ہے نہ نفع، انسانوں کی یہ قسم وہ ہے جس کے وجود وظہور کا نہ کوئی نفع نہ نقصان، ان کا آنا اور نہ آنا دونوں برابر ہوتے ہیں، دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا وجود وظہور قوموں وملکوں، یا افراد واشخاص کے حق میں نہایت نقصان دہ ہوتا ہے، اس قسم کے لوگوں کا وجود قوم وملک کے حق میں خطرہ ہی خطرہ ہوتا ہے، اور ایک قسم اس دنیا میں آنے والوں کی وہ ہے جس کا وجود قوموں، ملکوں، افراد واشخاص کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ، ایک مژدۂ جانفزا اور ایک پیغام ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان اللہ کے بندوں کا وجود وعدم دونوں کا اس کائنات کے ذرے ذرے پر اثر رونما ہوتا ہے، ان کا وجود دنیا کی بہار، لوگوں کے لیے ذریعۂ ہدایت، قلوب کے لیے سامان تسلی، ایمان ویقین اور اعمال واخلاق کے لیے باعث طاقت وقوت، خدا کی پہچان کا راستہ، نیکیوں کے پھیلنے کا ذریعہ اور برائیوں کے مٹنے کا سبب ہوتا ہے، ان کے اقوال واعمال، ان کا اخلاق وکردار، ان کا طرز زندگی وطریق معاشرت سب میں ہدایت کا نور، ایمان ویقین کی خوشبو، صلاح وتقوی کی پاکیزگی محسوس ہوتی ہے اور اگر وہ نہ رہیں تو دنیا میں اندھیرا، قلوب میں بےنوری وبےچینی، انسانوں کے اعمال واخلاق میں گراوٹ اور دنیا کے نظام میں فساد پیدا ہونے لگتا ہے۔

ایسے ہی مقدس بندوں میں سے ایک قابل فخر ولائق تقلید شخصیت کا نام حضرت مولانا قاسم قریشی ہے، جن سے لوگ ہدایت پاتے تھے، ایمان واعمال کی چاشنی حاصل کرتے تھے، اخلاق وکردار کی باتیں لیتے تھے، خدا کی پہچان اور نبی سے تعلق کا سبق سیکھتے تھے، دین وشریعت کا پیغام سنتے تھے اور راہ حق کے متلاشی راہ حق پر پڑ جاتے تھے۔ آپ کی زندگی اپنے لیے نہیں، بلکہ اللہ کے لیے اور اس کے دین کے تحفظ وبقاء کے لیے، اس کی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ کے لیے وقف تھی اور آپ

گویا اس شعر کا مصداق تھے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سر فرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ مقولہ معروف ہے کہ ''**مَوتُ العَالِمِ موتُ العَالَمِ**'' (عالم کی موت عالم کی موت ہے) مولانا قاسم قریشی صاحب علیہ الرحمۃ کی شخصیت بھی اس کا ایک واضح مصداق ہے؛ کیونکہ عالم کی بہار علماء کرام کے وجود سے ہے جن کی زندگیاں اللہ کے دین وشریعت کی ترویج واشاعت کے لیے وقف ہوتی ہیں اور وہ لوگوں کی ہدایت کا بڑا ذریعہ بنتے ہیں اور اس طرح گویا علماء کرام عالم کی زندگی کا سبب بن جاتے ہیں اور جب وہ چلے جاتے ہیں تو لوگوں کی یہ حالت بھی بدل جاتی اور اس میں غیر صالح انقلاب آجاتا ہے اور عالم میں زندگی کے آثار بھی مضمحل ہونے لگتے ہیں، اس طرح ایک عالم کی ایک موت عالم کی موت بن جاتی ہے۔

مجھے یہ تو یاد نہیں کہ کب سے میں مولانا کی شخصیت سے واقف ہوا؟ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اپنی طالب العلمی کے دور ہی سے برابر مولانا کا نام نامی ایک داعی ومبلغ ہونے کی حیثیت سے سنتا رہتا تھا اور آپ کے خطابات وبیانات کا چرچا بھی سنتا رہتا تھا؛ لیکن یاد ایسا پڑتا ہے کہ آپ کی ملاقات وزیارت کا موقعہ پہلی دفعہ کمہار پیٹ میں ایک تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر ہوا اور وہاں آپ کا بیان وخطاب بھی بہت دیر تک سننے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بعد پھر متعدد مجالس میں اور تقاریر میں مولانا سے ملاقات کے مواقع پیش آتے رہے اور آپ کی شخصیت بندے کے حق میں مسحور

کن ثابت ہوتی رہی۔

احقر جب بھی کسی سلسلے میں مسجد سلطان شاہ حاضر ہوتا تو یہ بھی کوشش کرتا کہ اگر حضرت مولانا وہاں موجود ہوں تو ان سے ملاقات کروں، لہذا بار بار ایسے مواقع پیش آتے تھے کہ وہاں مولانا موصوف سے ملاقات ہوجاتی اور جب بھی ملاقات ہوتی تو بہت ہی محبت وشفقت کے ساتھ پیش آتے، مسرت وانبساط کا اظہار کرتے، خندہ پیشانی اور اخلاق کے ساتھ عنایاتِ بزرگانہ کا ثبوت دیتے، خاطر داری اور کرم فرمائی کا معاملہ فرماتے اور حسن کلام سے محظوظ کرتے تھے۔

آپ کو اللہ تعالی نے گونا گوں خوبیوں سے ممتاز فرمایا تھا، آپ جہاں عالم دین تھے وہیں اس دین کے پُر جوش مبلغ وداعی بھی تھے، لہذا آپ نے ایک جانب متعدد جگہ مدارس اسلامیہ کی بنا ڈالی اور ان کو پروان چڑھایا، نیز اپنی تمام اولاد کو بھی اس میدان میں اُتارا اور سب کو علم دین سے آراستہ و پیراستہ کر کے اس کی خدمت میں بھی ان کو لگایا، تو دوسری جانب آپ نے دین اسلام کے پر جوش داعی و مبلغ کی حیثیت سے اپنی زندگی اس کے لیے لگا دی اور اپنی اولاد کو اس میں بھی اسی طرح لگایا جس طرح علم کی لائن میں لگایا۔

آپ دین اسلام کی دعوت وتبلیغ کو اپنا مشن بناتے ہوئے شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جاری فرمودہ عالم اسلام کی سب سے زیادہ وسیع و مقبول، عالمگیر اور انقلاب آفریں تحریک ''دعوت وتبلیغ'' (جس نے لاکھوں انسانوں میں دینی شعور اور اصلاحی اثرات پیدا کردئے) سے مکمل طور وابستہ ہو گئے اور آپ نے اپنی زندگی اسی ''تحریک دعوت وتبلیغ'' کے لیے وقف کردی تھی اور تمام کاموں

سے یکسو ہو کر اسی میں لگ گئے تھے۔

آپ کو اس تحریک سے نظریاتی و عملی دونوں طرح سے شغف رہا اور اس میں والہیت و انہماک اور جذب و استغراق کی کیفیت اس حد تک تھی کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جائیں، آپ کو اس تحریک سے عشق کی حد تک تعلق خاطر تھا اور دینی محنت و دعوت کی خاطر جینے و مرنے کی خواہش و تمنا آپ کا سب سے بڑا سرمایۂ زندگی تھا، بلکہ یوں کہنا غلط نہ ہوگا کہ آپ اسی کی خاطر مرنے کو اپنی زندگی سمجھتے تھے، جیسے حضرت مولانا احمد صاحب پرتاب گڑھی نے کہا ہے:

آتش عشق نے جلا ڈالا
زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

آپ ہی کا یہ بھی شعر ہے:

مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل
ایسے مرنے کی تم دعا کرنا

آپ کی ذات تبلیغی اجتماعات کی جان ہوتی تھی، اس لیے آپ برابر قریب اور دور کے اجتماعات میں شامل ہوتے اور ان کی نگرانی و سرپرستی فرماتے، آپ کے خطاب و بیان سے مجمع میں ایک قوت و طاقت کی لہر دوڑ جاتی اور لوگ بڑے متأثر ہوتے، آپ کی دعاء بھی پرتاثیر ہوتی اور اس لیے لوگ آپ کی دعاء میں شمولیت کے لیے دور دراز مقامات سے آکر شرکت کرتے تھے۔

اسی طرح آپ نے اس تحریک دعوت و تبلیغ کے اصولوں اور طریق کار کے

مطابق ملک و بیرون ملک کے کثرت کے ساتھ اسفار کیے، لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی خاطر محنت ومجاہدہ اختیار کیا اور راہِ حق میں صعوبتیں اور مشکلات برداشت کیں اور یہ سلسلہ برابر جاری وساری رہا۔

آپ کو اللہ تعالی نے جن خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں ایک یہ کہ آپ کو زبان با تاثیر عطا ہوئی تھی اور قدرت علی الکلام کا وہ ملکہ کاملہ بخشا گیا تھا کہ سننے والوں کے قلوب میں ایک عجیب روحانی وایمانی رنگ پیدا ہوجاتا، آپ کا خطاب ''اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا'' کا مصداق لگتا تھا، حضرات صحابہ کی تاریخ، ان کے نقوش حیات، ان کی دین کے لیے قربانیاں، وہ اس انداز سے بیان فرماتے تھے کہ پتھر دل بھی پانی ہوجاتا اوراس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، چنانچہ اللہ کے بے شمار بندوں نے آپ کے وعظ و بیان اور تقریر وخطاب سے استفادہ کیا اور ہزاروں نے راہ ہدایت پائی۔

اللہ تعالے کے فضل وکرم سے آپ ایمان ویقین، توکل واعتماد علی اللہ، انابت وخشوع ،خوف وخشیت، تقوی وطہارت اوردین کی خاطر مجاہدات وقربانیاں وغیرہ وغیرہ خصوصیات سے ممتاز کئے گئے تھے؛ مگراس کے باوجود ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ نہایت سادہ طبیعت اور انتہائی متواضع ومنکسر المزاج بھی واقع ہوئے تھے۔سبھی کے ساتھ اسی سادگی و تواضع کے ساتھ پیش آتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ خوشی وخوشدلی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔

آپ کئی سالوں سے مختلف امراض وعوارض کا شکار ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے متعدد بار ہسپتالوں میں بھی آپ کو داخل کرنے کی نوبت آتی رہی، ایک دوبار شفا ہسپتال میں ایسے موقعہ پر عیادت کے لیے احقر حاضر ہوا اور محسوس کیا کہ آپ کو اللہ تعالی بے پناہ صبر کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے، صحت کی کمزوری اور مختلف امراض وعوارض کے باوجود آپ کی زبان پر کوئی شکوہ شکایت نہیں، بلکہ اس کی جگہ شکر

ہی شکر ہے۔

آخری سالوں میں متعدد امراض وعوارض کی وجہ سے آپ ضعف واضمحلال سے دوچار رہتے تھے؛ مگر اس کے باوجود جب بھی صحت نے ذرا بحالی پائی اور کچھ بھی افاقہ محسوس ہوا تو دعوت وتبلیغ کی خاطر وہی اسفار ومجاہدات کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا۔ یہ دراصل اس تحریک ''دعوت وتبلیغ'' کے ساتھ آپ کے بے پناہ اشتغال وانہماک اور شغف واستغراق کی بنا پر تھا جس کو آپ نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا۔

آخرکار وہ گھڑی آہی گئی جس سے کسی کو مفر نہیں اور علم وعمل ہو یا مال ودولت، عزت وشہرت ہو، یا طاقت وحکومت کوئی چیز اس کو ٹال نہیں سکتی، اللہ تعالی کے اس قانون واصول ''کل نفس ذائقۃ الموت'' سے کوئی مستثنی نہیں، چنانچہ آپ ایک طویل بیماری کے بعد بروز سنیچر بعد عصر ۱۶/شوال ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۳/جولائی ۲۰۱۶ء اس دار فانی سے کوچ کر کے راہی ملک بقاء ہوئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

احقر جامعہ مسیح العلوم میں تھا کہ اس کی اطلاع پہنچی اور دل ودماغ کو اس سے صدمہ پہنچا اور بعد مغرب مسجد ہی میں برائے ایصال ثواب ایک مختصر مجلس کا انعقاد کیا گیا اور دعاء کی گئی اور پھر بعد عشاء مکمل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا گیا۔

پھر احقر اور بعض اساتذۂ جامعہ کا ارادہ ہوا کہ گھر پہنچ کر زیارت بھی کرلیں گے اور آپ کے صاحبزادوں وغیرہ رشتہ داروں سے تعزیت بھی ادا کردیں گے، مگر معلوم ہوا کہ جنازہ گھر سے سلطان شاہ کی جانب لے جایا جارہا ہے، لہذا ہم نے زیارت کے لیے سلطان شاہ کا ہی ارادہ کیا اور وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ارادت

مندوں اور عقیدت کیشوں کا بے پناہ اور نا تھمنے والا ایک ہجوم ہے جو اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیتے ہوئے چہار طرف سے امنڈتا چلا آرہا ہے اور ساری سڑکیں ازدحام کی وجہ سے بند ہیں۔ ہم نے کار کچھ فاصلے ہی پر کھڑی کردی اور پیدل چلتے ہوئے سلطان شاہ گئے اور وہاں کی حالت تو اور بھی عجیب وغریب تھی کہ لوگ عقیدت ومحبت کے جوش میں ہوش کھوئے جارہے تھے، سارا مجمع بے قابو تھا، کوئی کسی کی سننے کا روادار نہیں تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ یہ مسجد ہے، اس کا ادب واحترام لازم ہے۔

وہاں پہنچے پر معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم کے وارثین اور ذمہ دارانِ سلطان شاہ تجہیز وتکفین اور نماز وتدفین کے سلسلے میں مشورے میں مشغول ہیں، لہذا وہیں پہنچ کر مولانا کے صاحبزادوں اور بعض دیگر رشتہ داروں سے تعزیت ادا کی اور کچھ دیر وہاں بیٹھ کر مشورے میں شمولیت کی اور پھر بڑی مشکلوں کے ساتھ بعض احباب نے چین بنا کر ہمیں زیارت کرائی، اگرچہ میں کہہ رہا تھا کہ اس ہجوم کو دیکھ کر ہمت نہیں ہورہی ہے؛ مگر اللہ جزائے خیر دے ان احباب کو کہ انھوں نے بڑی محبت کے ساتھ اپنے اوپر یہ بار اٹھایا اور چین بنا کر زیارت کرنے کا موقعہ فراہم کیا، مگر لوگوں کا ہجوم اس چین پر بھی بھاری ہورہا تھا، تاہم اللہ اللہ کر کے حضرت والا کی دید وزیارت سے مشرف ہوئے اور چلے آئے۔

نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے شہر اور اطراف وجوانب کے دیگر شہروں اور علاقوں سے عوام وخواص کا بے پناہ ہجوم امنڈتا چلا آرہا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جارہا تھا، جس سے تمام راستے اور سڑکیں بند ہوگئی تھیں اور

دوسرے دن صبح آٹھ بجے چھوٹے میدان میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور دارالعلوم شاہ ولی اللہ کے احاطے میں جو قبرستان ہے وہاں تدفین عمل میں آئی۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کو اپنے شایان شان جزاء عطا کرے اور ان کی خدمات کو شرف قبول کرے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے نقوش زندگی کو اپنانے کی توفیق سے نوازے۔

آمین یارب العالمین۔

داعی کبیر حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کی اللہ کے یہاں حاضری

قاضی محمد ہارون صاحب رشادی مدظلہ

بروز ہفتہ مؤرخہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز مغرب سے فارغ ہوکر باہر نکل رہا تھا؛ کہ اچانک بجلی سی گری، مسجد کے باہر صحن میں کھڑے چند احباب نے کہا کہ مولانا قاسم قریشی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ یہ خبر سننا ہی تھا کہ میرے اوسان خطا ہوگئے ،اس کے بعد کیا تھا فون کا سلسلہ شروع ہوگیا اور فون کرنے والے احباب یہ پوچھ رہے تھے کہ ”کیا یہ خبر صحیح ہے“ اسی شش و پنج میں تھا کہ ایک فون آیا جس میں کہا گیا کہ واقعتاً حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب دامت برکاتھم سے رحمۃ اللہ علیہ ہوگئے ہیں“ انا للہ وانا الیہ رجعون ۔

آپؒ سے تعلقات طالب علمی کے زمانے سے ہی تھے؛ بلکہ والد محترم جناب یم سلیمان صاحب اور چچا جان حاجی کمال الدین صاحب آپ کے ساتھ سفروں پر جایا کرتے تھے،اس وقت سے ہم حضرت کو جانتے ہیں ہم تمام اہل خانہ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آتے تھے،اور جب بھی میں ملتا بڑی خوشی کے ساتھ پیار و محبت سے بات کرتے تھے مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ حضرتؒ مجھ سے ہی ایسا بات کرتے ہوں گے،مگر آپ کی عجیب شان کہ اللہ تعالی نے آپ میں محبت، چاہت اور اخلاص کوٹ کوٹ کر اتنا بھر دیا کہ ہر آدمی ، ہر ملاقات کرنے والا یہی اثر لے کر نکلتا تھا کہ حضرتؒ صرف اسے ہی محبت کرتے ہیں،امیر ہو یا غریب شہری ہو یا دیہاتی ہر ایک

سے بڑی خندہ پیشانی سے پیش آتے۔

آپ ہمیشہ امت کی فکر کرتے کہ ہر گھر میں نبی پاک ﷺ کا لایا ہوا دین ہر کچے پکے مکان میں کیسے داخل ہو، اللہ تعالی نے آپ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا، جس طبقے میں جاتے اس طبقے کی مناسبت سے قال اللہ قال الرسول کو بڑے ہی آسان طریقے سے پیش کرتے تھے اسی کی ایک کڑی آپ کے شہر رام نگرم میں ہر سال حاجیوں کا سہ روزہ جوڑ ہوتا ہے، اس میں آپ نئے حجاج کرام جو پریشان رہتے ہیں کہ احرام کیسا باندھا جائے؟ طواف کیسا کیا جائے؟ سعی اور دیگر ارکان کی ادائے گی کیسی ہو؟ ان حجاج کرام کو آپ عملی طور پر ایسا سمجھا دیتے کہ ان کی پریشانی لمحوں میں ختم ہو جاتی؛ بلکہ اس نئے عازم ہی کو احرام باندھنے اور طواف کا طریقہ بھی عملی طور پر کراتے، وہ مطمئن ہو کر سفر کی تیاری کر لیتا۔

آپ کی زیر سرپرستی چلنے والا یہ حاجیوں کا جوڑ صرف ریاست کرناٹک ہی میں نہیں؛ بلکہ پورے ہندوستان میں مشہور رہا ہے، اسی کا صلہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو کئی مرتبہ حج بیت اللہ اور عمرے سے نوازا، اس سال بھی آپ رمضان المبارک میں عمرہ تشریف لے گئے تھے۔

آپ کثیر العیال ہونے کے باوجود دنیا کی طرف کبھی رغبت نہیں کی؛ جیسا کہ دعوت وتبلیغ میں بار بار یہ سکھایا جاتا ہے کہ تم دنیا کو قدموں میں رکھو، اللہ تعالی دنیا تمہارے قدموں میں لائے گا، اگر تم دنیا کے پیچھے بھاگو گے، دنیا تمھیں اور بھگائے گی، اس کی ایک زندہ مثال کا مظاہرہ جو آپ کے ساتھ پیش آیا مجھے سننے کا موقع ملا۔

ہمارے ایک ساتھی مفتی صاحب جو امریکہ میں مقیم ہیں جب وہ چھٹیوں میں

انڈیا آئے تو وہاں پر ایک صاحب نے مفتی صاحب کے ہاتھ ایک لفافہ دیا اور دے کر کہا کہ: یہ مولانا قاسم قریشی صاحب کو پہنچادو! مفتی صاحب نے سمجھا کہ کوئی خط ہے حضرت قریشی صاحبؒ نے مفتی صاحب کی موجودگی ہی میں لفافہ چاک کیا تو دیکھا اس میں امریکی ڈالرس ہیں، تو فورا حضرت نے وہ ڈالر اسی لفافے میں ڈال کر کہا کہ یہ ڈالر انھیں کو واپس کردو اور میرا اسلام سناؤ! یہ تھی اللہ والوں کی شان۔

الحمدللہ آپ نے پوری زندگی سادگی کے ساتھ گذاردی اور نمازوں کا بہت اہتمام تھا، جب آپ کا آپریشن کوئمبتور کے مشہور ہاسپٹل میں ہوا تھا، اس وقت عیادت کے سلسلے میں جانے کا موقع ملا، ڈاکٹروں نے آپ کو لیٹ کر رہنے کا مشورہ دیا تھا، غالبا نماز عصر کے وقت میں حاضر ہوا تھا، آپ نے تیمّم کر کے نماز ادا کی تھی ،سخت بیماری میں بھی نماز ترک کرنا آپ کو گوارا نہ ہوا۔

آپ کی زبان میں اللہ تعالی نے عجیب تاثیر بخشی تھی، طالب علمی کے زمانے میں ہم چند رفقا نے داونگرے کے اجتماع میں شرکت کی اور وہ اجتماع بڑے حالات کے بعد منعقد ہوا تھا، مولانا کی تقریر ہو رہی تھی، اچانک زوردار بارش شروع ہوگئی ،سارا مجمع پریشان ہوگیا، مولانا نے بارش روکنے کے لئے دعا پڑھائی تو اللہ تعالی نے آپ کی دعا سن کر بارش روک دی اور ماحول پرسکون ہوگیا۔ اللہ تعالی آپ کو روحانی طاقت سے بھی خوب نوازا تھا۔ ڈاکٹروں کے آرام کرنے کے مشورے کے باوجود آپ اپنی صحت کی پرواکئے بغیر دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے تقریر کرتے تھے، اور آپ کی آواز خطاب کی ابتدا میں جیسی بلند رہتی، اخیر خطاب تک بھی ویسی ہی بلند رہتی تھی اور جب دعا کرتے تو سارے عالم کی فکر کرتے ہوئے دعا کرتے، دعا اتنی رقت آمیز

ہوتی تھی کہ سارا مجمع آہ وبکا کرنے لگتا اور سارے پنڈال میں آمین کی آواز گونجتی رہتی۔

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں لکھتا رہوں تو صفحات کے صفحات سیاہ پڑ جائیں، بس اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو دین کے اس کام میں مولانا جیسی فکریں لے کر چلنے والا بنائے ،مولانا کو جزائے جزیل عطا فرمائے اور مولانا کے تمام اہل خانہ نیز ساری امت مسلمہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین

معمار جہاں ہے تری تاثیر لساں دیکھ
تلوار سے کم تر نہیں ایمان کی زبان دیکھ

خاموش ہو گیا چمن بولتا ہوا

خلیل الرحمٰن قاسمی برنی صاحب

۲۳ / جولائی ۲۰۱۶ء کی شام بعد نماز عصر امت کے عظیم داعی اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ دار فانی سے دار باقی کی طرف رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ رجعون۔ آپ کا شمار امت کے با فیض علما میں تھا بہت ہی سادہ مزاج اور نرم طبیعت شخصیت کے حامل تھے، انہوں نے اپنی ساری زندگی دین کے لیے وقف کردی تھی، وہ اولوالعزم حق شناس وحق آگاہ لوگوں میں سے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ امت کی ظاہری وباطنی اصلاح وتربیت میں خرچ ہوتا تھا۔ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں ان کی محنتیں اور مساعی رہتی دنیا تک ان کے لیے ثواب جاریہ ثابت ہوں گی، خدائے علیم نے انھیں امت وملت کے درد سے آشنائی عطا فرمائی تھی، اسی لئے انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد اور مشن ہی یہ تجویز کرلیا تھا کہ وہ امت مسلمہ کی دینی اصلاح اور تربیت اور دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت کے ساتھ وابستہ رہیں گے ؛ چنانچہ انہوں نے اپنی اس بلند، بامعنی اور مبارک مقصد پر یکسوئی کے ساتھ اپنی پوری توجہ مرکوز رکھی، وہ ہمیشہ سچی لگن اور جذب اندروں کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہے، ان کا عزم ہمیشہ توانا اور جوان رہا، زمانے کی تبدیلیاں، مصائب وآلام اور گردش ایام کے ذریعے پیدا ہونے والی کلفتوں سے کبھی پژمردگی کا شکار نہ ہوئے ؛ بلکہ ان صبر آزما حالات اور پریشانیوں کو اپنے لیے مہمیز خیال کرتے ہوئے مزید تیز گام ہوئے۔

تبلیغی تحریک کے بانی اور اپنے وقت کے نام ور صاحب نسبت بزرگ اور مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے دل و دماغ پر ہر وقت دعوت و تبلیغ کی فکر سوار رہتی تھی، ان کی تمام حرکات و سکنات حتی کہ ان کی تمام تر فکروں کا محور صرف دعوت و تبلیغ ہی رہ گیا تھا، وہ اس فکر میں گھل گھل کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے تھے، صاحب قلم و صاحب فکر عالم دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے ان سے اپنی پہلی ملاقات کا حال ان الفاظ میں بیان کیا ہے ''میں جب حاضر خدمت ہوا اور سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو بجائے مصافحہ فرمانے کے بستر سے اٹھ کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ کے حضرت کھڑے ہوئے، میں نے باصرار عرض کیا کہ آپ آرام فرمایئے، آپ کی طبیعت ناساز ہے، فرمایا: کچھ نہیں ہے بس تم ہی لوگوں کا بیمار ڈالا ہوا ہوں تمہارا ہی ستایا ہوا ہوں تم جاؤ دین کا کام کرنے لگو، ان شاء اللہ اچھا ہو جاؤں گا اس دفعہ میں صرف ایک روز شب مولانا کی خدمت رہا ایسی سخت بیماری اور اس درجے کی کمزوری میں مولانا پر دین کی فکر کا میں نے جیسا غلبہ دیکھا اور دین کے ساتھ ان کے جس تعلق کا اندازہ ہوا اس نے مجھے بہت متاثر کیا''

(ملفوظات حضرت مولانا الیاس صاحبؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے لکھا ہے کہ ''حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کا سا درد اور بے قراری دیکھنے میں نہیں آئی، جس شخص نے نہیں دیکھا وہ تصور نہیں کرسکتا، بعض اوقات ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے، میرے اللہ میں کیا کروں؟ کچھ ہوتا نہیں کبھی کبھی دین کے اس درد اور فکر میں

بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے‘‘

(مولانا الیاس اوران کی دینی دعوت)

بالکل یہی حالت اور یہی کیفیت حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی تھی آپ بھی امت کے لیے ہمیشہ بے چین اور دردمند رہتے ،اصلاح امت کے لیے ان کی فکر مندی اور دعوت کی راہوں میں ان آئے دن دور دراز کے لمبے اور طویل عرصے تک اسفار اور اس سلسلے میں ان کی لگن، کڑھن اور تڑپ کا بھی حال بہت نرالا اور عجیب تھا موجودہ زمانے میں اس کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ان کے مجاہدوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مقصد کی تکمیل اور اپنے مشن کو جاری رکھنے کے لئے اپنے آپ کو بھول چکے ہیں اور پوری طرح طالب آخرت بن گئے ہیں۔انھوں نے دنیوی راحتوں پر آخرت کی ابدی راحتوں کو ترجیح دی،ان کے پاس بیٹھ کر اللہ کی یاد آتی تھی فکر آخرت زندہ ہوتی اور روح میں ایک قسم کی توانائی محسوس ہوتی تھی، جب کہ ان کے اقوال وارشادات سن کر ایسا لگتا تھا کہ ان کے نازک سے دل میں سارے جہاں کا درد سمٹ آیا ہے، وہ دن رات اسی درد میں تڑپتے رہتے تھے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے بس ایک ہی دھن ایک ہی فکر کہ امت کی اصلاح کیوں کر ہوگی، امت راہ نجات پر کس طرح آئے گی، امت اپنے مقصد کو کب پہچانے گی، حیات مستعار کا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جس میں ان کو یہ دامن گیر نہ رہی ہو، سخت بیمار ہیں، چلنا پھرنا مشکل ہے حکیموں ڈاکٹروں گھر والوں اور متعلقین کا مشورہ ہے کہ جد جہد کم کریں محنت میں تخفیف کریں اور بس آرام کریں، حتی کے زیادہ سوچنے سے بھی گریز کریں، اور کام نہ کریں ؛ مگر جس شخص کی زندگی مسلسل دینی کام اور دعوتی سرگرمیوں میں گذری ہو اور

جس کے شب و روز کا ایک ایک لمحہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائے گی میں مصروف رہا ہو وہ کسی ایسے مشورہ پر کب عمل کرنے والا تھا جس سے اس کے مشن کی تکمیل اور مقصد کی انجام دہی میں فرق آنے کا اندیشہ ہو۔

مولانا مرحوم کی زندگی، ان کے مجاہدانہ اور پرعزم دعوتی اسفار ان کے علمی، ملی اور تبلیغی کارنامے، امت کی اصلاح کے لیے ان کے مشاغل اور مصروفیات اور ان کی بے مثال جدو جہد اور بے لوث و بے غرض خدمت دین اور ان کے افکار و خیالات ہم جیسے بے عمل لوگوں کے لیے نمونۂ عمل ہیں جنھیں نہ کبھی وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہوا، اور نہ کبھی انجام کی فکر ہوئی نہ کبھی دوسروں کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا ہوئے اور نہ ہی دوسروں کو راہ راست پر لانے اور ان کو جھنم کے راستے سے ہٹا کر جنت کے راستے کی راہ نمائی کا خیال آیا، قدم اٹھ رہے ہیں مگر بے مقصد ؛ زندگی کا سفر جاری ہے مگر نہ کسی منزل کا تعین، نہ کوئی ہدف نہ نصب العین اور نہ ہی کوئی لائحۂ عمل، مقصد سے غفلت اور خود فراموشی زندگی کی علامت بن چکی ہے۔

مولانا قاسم قریشی نور اللہ مرقدہ علم و عمل کی اعلی قدروں کے امین اور بے انتہا مخلص اور وفا شعار خادم دین اور داعیٔ کبیر تھے، آپ دعاۃ و مصلحین کے اس سلسلے کی زریں کڑی تھے، جنہوں نے امت محمدیہ کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے اپنے آپ کو تج دیا تھا اور جنہوں نے دین محمدی کی آب یاری اور اشاعت کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کے بعد بھی یہی کہا تھا کہ

''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

آپ کے سینے میں خدائے قادر و غالب نے امت کے غم میں تڑپنے والا دل رکھ دیا تھا، ان کا تڑپنا بے چین اور بے کل رہنا اور ان کی حیرت ناک بے قراری، اس

راہ میں وہ کامل متبع سنت اور متبع شریعت تھے، مولانا مرحومؒ سنتِ نبوی ﷺ پر پوری زندگی عامل رہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالق کی طرف جب جب بلاوا آیا تو ان کی طبیعت بہت مطمئن تھی۔

مولانا مرحوم کے بارے میں یہ کہنا صدفی صد صحیح ہوگا وہ اکابر واسلاف کی روشن زندگیوں کا پرتو تھے، آپ کا تعلق امت کے چنندہ وباکردار مخلصین کے اس قافلے سے تھا، جن کے یہاں مفاد پرستی خودغرضی اور رذائل کی طرف توجہ جرم شمار ہی کیا جاتا ہے اسی کے ساتھ مخلوق کی ہمدردی اور خیر خواہی سے کنارہ کشی بھی ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا ہے، ان کی زندگی کا اہم مقصد خیر کی اشاعت اور انسانوں کی نفع رسانی کے لیے ہمہ وقت کوشاں اور مستعد رہنا ہوتا ہے، ایسے حضرات پس مرگ زندہ ہوتے ہیں، وہ دنیا سے اگرچہ پردہ کناں ہو جاتے ہیں، مگر ان کے فیوض وبرکات کا ایک سیل رواں بدستور رہتا ہے لوگ ان کے نام کا دم بھرتے ہیں، ان کی زندگی سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور ان کا ذکر خیر زبان زد عام وخاص ہوتا ہے۔

مولانا مرحوم کی عظیم اور بہت اعلی درجے کی خوبی ان کا اعلی درجے کا اخلاص تھا، آپ مختلف زاویوں سے تشنگان علوم کی اور دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں کی نیتوں کو اخلاص کی کسوٹی پر پرکھتے رہتے تھے؛ جہاں آپ کو نیت میں کھوٹ اور کمزوری معلوم ہوتی تو فوراً اس پر توجہ دلاتے۔ تبلیغ سے وابستہ ساتھیوں کو صفات حمیدہ سے آراستہ ہونے کی بہت ترغیب دیتے نیز ان کو رغبت اور شوق دلاتے کہ تبلیغ میں خدا طلبی کے لیے لگیں نہ کہ دنیاوی وجاہت اور شہرت کے لیے۔

مولانا قاسم قریشی صاحب قدس سرہ کی دینی تعلیم دہلی میں واقع تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین میں جاری مدرسہ کاشف العلوم میں مکمل ہوئی، یہاں کے عباقرۂ

علم وعمل سے آپ نے علوم نبوت میں مہارت حاصل کرکے انھیں کے ایماء اور مشورے سے دعوت وتبلیغ کے لئے اپنے آپ کو مکمل فارغ کرلیا تھا، ملک اور بیرون ملک میں پوری زندگی دعوتی سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہوئے اولاد کی دینی وعملی تربیت کا خاص خیال آپ کے خصوصی امتیازات میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کثیر العیال ہونے کے باوجود اپنی بہترین تربیت کے باعث خوش اخلاق اور خوش کردار اولاد کے باپ بھی تھے آپ نے اپنی تمام اولاد کو علم دین سے بہرہ ور فرمایا ، ماشاء اللہ آپ کی تمام اولاد علوم دینیہ سے آراستہ اور دنیوی اعتبار سے خوش حال ہے

۔

مولانا مرحوم کے آٹھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں صاحبزادے تمام کے تمام حافظ قرآن اور عالم دین اور مفتی ہیں ،ایک صاحبزادے مفتی عبدالرشید صاحبؒ آپ کے سامنے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے باقی تمام صاحب زادے اور صاحبزادیاں موجود ہیں اس وقت دو صاحبزادے محترم جناب مفتی طاہر صاحب قریشی اور محترم جناب مفتی طیب صاحب قریشی تبلیغی سفر پر افریقہ کے کسی ایسے علاقے میں دین کی محنت میں مشغول ہیں جہاں فون سے رابطہ بھی مشکل ہو پاتا ہے ،آپ کے ایک صاحب زادے محترم جناب مولانا حسین قریشی احقر کے درسی ساتھی ہیں، ماشاء اللہ بہت ہی خلیق ،ملنسار اور سادہ طبیعت آدمی ہیں ،مولانا مرحوم کی شادی بنگلور کے ایک معزز گھرانے سے ہوئی اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا ابوسعود صاحبؒ بانی مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور نے آپ کا نکاح پڑھایا،شادی کے بعد پھر آپ نے پورا ایک سال عالم عرب میں دعوت وتبلیغی محنتوں میں صرف فرمایا، واضح رہے کہ اس سے پہلے مکمل ایک سال دعوت وتبلیغ میں صرف فرما چکے تھے آپ کے یہاں مشورہ

کا بہت اہتمام تھا اور آپ پوری طرح اپنے آپ کو مشورہ کا تابع رکھتے تھے قدرت نے آپ کو مقبولیت عامہ سے نوازا تھا، ہر عام وخاص آپ کو ٹوٹ کر چاہتا تھا، جس طرح آپ عوام میں مقبول تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ علما کی جماعت میں بھی آپ مقبول اور محترم تھے۔

لوگوں میں آپ کی محبت اور آپ کی ہر دل عزیزی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جیسے ہی آپ کے انتقال کی خبر عام ہوئی تو بے شمار لوگ حیرانگی و پریشانی کے عالم میں اپنے کام دھندوں کو چھوڑ کر دیوانہ وار آپ کے گھر کی طرف دوڑ پڑے ان میں کتنے ایسے تھے جو اپنے گریہ پر قابو نہیں رکھ پا رہے تھے کئی لوگوں کو میں نے زار وقطار اور ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے دیکھا، حزن وغم کی کیفیت میں تو ہر ایک ڈوبا ہوا تھا اور ہر ایک کے چہرے سے غم پوری طرح مترشح تھا۔

۲۴/ جولائی ۲۰۱۶ء کی صبح کو مرکز ومسجد حضرت سلطان شاہ واقع شیواجی نگر میں آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے محترم جناب مولانا حسین قریشی صاحب نے ادا کرائی۔

کیا لوگ تھے راہ وفا سے گذر گئے
جی چاہتا ہے ان کے نقش قدم چومتے چلوں

اللہ رب العزت حضرت کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور کروٹ کروٹ راحت وسکون نصیب فرمائے آمین

مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کی حیات کے منور باب

(مولانا ایوب خان افضل صاحب دامت برکاتھم، رام نگرم مقیم جدہ سعودی عرب)

ایک ہی مقام کے ہونے اور ان کی رہنمائی اور دستگیری میں دعوت کی محنت میں لگ کر چلتے رہنے کی وجہ سے اور مولانا کی خدمت اور قربت کے دوران ہندوستان اور حرمین شریفین میں کئی مرتبہ دوران گفتگو حضرت سے جو باتیں سنیں وہ عرض کرنا مقصود ہے جس سے حضرت کی شخصیت کے کچھ مزید گوشے کھلے۔

شہر رام نگرم سے پہلی چار مہینے کی جماعت جس میں مولانا کے بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی صاحب حاجی ترابی، حاجی فیاض اللہ، حاجی انور صاحباں کی نکلی تھی، واپسی کے بعد مولانا کے بڑے بھائی (امیر صاحب) نے اپنے چھوٹے بھائی (قاسم قریشی) کو اپنی ذمہ داری سے مرکز نظام الدین کے مدرسے کاشف العلوم بھیج دیا جہاں سے فارغ ہو کر کاشفی کہلائے۔

الحمد اللہ ہمارے شہر سے تقریبا دس، بارہ علما، حافظ اور قاری مرکز نظام الدین سے فارغ ہیں ان میں سے مولانا عبد الجبار صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ شروع میں نظام الدین میں اللہ کے راستے میں آئے ہوئے مہمانوں کے لئے بیت الخلا کا انتظام نہیں تھا اس کی غلاظت جوٹن کے ڈبوں میں بھر جاتی، رات کے اندھیرے میں طلبہ سر پر لے جا کر دور جنگل میں ڈال کر آتے تھے، ہم نے بھی عنقریب (قریبی زمانے) تک دیکھا ہے کہ طلبہ کو موجود مہمانوں کی روٹی کے لیے آٹا جو تقریبا کئی بوریاں ہوتا ہے، اپنے ہاتھوں سے گوندھ کر تنور والے کو دینا پڑتا تھا ،اس طرح تعلیم کے دوران جماعتوں کی خدمت کی تربیت کرائی جاتی تھی۔

مولانا یعقوب صاحب مدظلہ جو مولانا کے استاذوں میں سے ہیں، باحیات مرکز میں موجود ہیں انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: اگر اللہ مجھ سے پوچھیں کہ کیا کر کے لائے ہو؟ تو میں مولانا کو پیش کردوں گا، مولانا کے ہم جماعت ساتھیوں میں مولانا یوسف سلونی مقیم مرکز، مولانا چراغ الدین راجھستانی، یہ تینوں دعوت کے بڑے ذمہ داروں میں ہیں، مولانا کی تعلیمی فراغت کے بعد سال لگانے کے لئے سعودی عرب اور دیگر عرب ملکوں کا سفر ہوا سال سے زیادہ وقت لگا کر واپسی ہوئی، پھر بنگلور میں RTO شریف صاحب کے گھر میں نکاح ہوا شریف صاحب کی اہلیہ مستورات کے کام کی فکرمند اور متحرک تھیں اوران کی دختر بھی اس کے نتیجے میں مولانا کی اہلیہ اور تمام بچے دعوت کے تقاضوں پر مولانا کی طرح خوب چل رہے ہیں، مولانا کے انتقال کے وقت پر بھی دو صاحبزادے اور ایک داماد پانچ مہینے کی جماعت میں بیرون ملک چل رہے ہیں۔

شروع میں تقریباً روزانہ ہی مولانا کو رام نگر سے بس یا ٹرین کے ذریعے کمہار پیٹ (سابق مرکز) آنا جانا پڑتا تھا، جتنی جماعتیں نظام الدین سے عربوں کی آتی تھی ان کی تشکیل مولانا کی ذمہ داری میں ہوتی تھی، جس میں امیر ہونے کے علاوہ سب کا ترجمہ بھی کرنا پڑتا تھا اب ماشاءاللہ علما کی تعداد بڑھ گئی ہے مولانا کی عربی زبان پر عبور اور عربوں کے مزاج کے مطابق چلانے کی وجہ سے وہ بہت خوش اور متاثر ہوتے تھے، کئی عربوں نے عبدالرؤف قریشی صاحب مرحوم سے مولانا کا شجرہ معلوم کرنا چاہا اس لئے کہ حضور ﷺ بھی قریشی تھے یعنی اہل قریش میں تھے ،مولانا کے بھاری جسم، کمر کے کئی آپریشن، اور کئی بیماریوں کے باوجود ویل چیر پر ہی

سال میں کئی مہینے صوبے کے اکثر اضلاع کا سفر اور نظام الدین کے تقاضوں پر بیرونی ملکوں کا سفر اور سال میں ایک دو مرتبہ عمرہ بھی اللہ کرا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ میں ایک دن خود مولانا سے عرض کیا مولانا کچھ آرام بھی کرنا چاہیے ،اس پر مولانا نے فرمایا: اس راستے کی موت کے لیے چل رہے ہیں وہ اب قریب ہے اور تم بیٹھنے کو کہتے ہو پھر میں خاموش ہو گیا اور اس وقت مولانا اپنی منزل جنت میں پہونچ کر آرام فرما رہے ہیں اور پتہ نہیں ہمارا کیا ہوگا۔

علم وعمل کا ایک سورج غروب ہوگیا

لکچرار حاجی ارشاد احمد صاحب مدظلہ بنگلوری

اللہ جل شانہ نے بروز ہفتہ بتاریخ ۲۳؍جولائی ۲۰۱۶ء مطابق ۱۷؍شوال المکرّم ۱۴۳۷ھ کو ایک اور علم وعمل کے سورج کو غروب کردیا، وہ سورج تھے مبلغ دین داعی الی اللہ علم وعمل کا مجسمہ، پیکر اخلاق، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا محمد قاسم قریشی صاحبؒ۔

پورے صوبہ کرناٹک اور شہر بنگلور کے مؤذنین مغرب کی اذان کی تیاری میں لگے ہوئے تھے، نمازی مسجدوں کی طرف جانے کی تیاری میں تھے، پورے صوبہ کرناٹک، تمل ناڈو، آندھرا پردیش، ملک کے دیگر حصوں میں یہ دل خراش خبر بجلی بن کر گونجنے لگی کہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب کا انتقال ہوگیا، دل کسی بھی طرح اس خبر کو سچا ماننے تیار نہ ہوتا تھا، چاروں طرف سے جب تحقیقات کی گئیں پھر خود خبریں بھی آنے لگیں کہ ہاں بات سچ ہے، خبر یقینی ہے کہ حضرت والا اپنے آخری سفر کے لئے روانہ ہوگئے۔

ہر منگل کو مسجد سلطان شاہ میں مشورہ ہوتا ہے، منگل کو مولانا ہشاش بشاش چلے آئے، مشورہ رات نو بجے تک ہوتا رہا، کون جانتا تھا کہ حضرت مولانا کو بعض دیکھنے والے آخری مرتبہ دیکھ رہے ہیں، اب یہ آفتاب غروب ہونے والا ہے، کئی مشورے ہوئے، حضرتؒ تمکور کے علاقے چکنانیکن ہلی میں جانا طے ہوا، حضرت فاروق دامت برکاتھم کا مدن پلی، دوسری دو جماعتوں کا ہوسپیٹ اور انت پور جانا طے

ہوا، حاجیوں کا جوڑ رام نگرم میں، ۷، ۶، ۵ اگست کو طے ہے، فورتھ بلاک عیدگاہ مسجد میں بھی جمعرات کو دن بھر حاجیوں کا جوڑ طے تھا، کوئی ہمیں نہیں جان سکا کہ یہ کیا ہو گیا، اللہ کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اس کا کوئی فیصلہ مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اسے اپنے اس نیک بندے کو بلانا تھا اس لیے بلالیا، کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ حضرتؒ ایک عالم کو سوگوار بنا کر چلے جائیں گے خبر آگ کی طرح پھیلتی گئی، چاروں طرف سے لوگ مرکز تبلیغ مسجد سلطان شاہ آنے لگے، اور حضرت کے گھر کے اطراف جمع ہونا شروع ہوگئے، دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں کا مجمع ہزاروں میں بڑھتا گیا، گھر کے افراد متفکر تھے کہ کیا کریں گھر والے خاندان والے جمع تھے، مگر دو فرزندان مفتی محمد طاہر صاحب و مفتی محمد طیب صاحب افریقہ کے ملک موریشس کے سفر میں پانچ ماہ کے لیے گئے ہوئے ہیں، مکرمی فاروق صاحب بھی مدن پلی کے دورہ پر ہیں، دعوت کا مبارک عمل یہ نبیوں کا طریقہ صحابہ اور اولیاء کا طریقہ ہے یہاں ہر کام مشورے سے ہوتا ہے، اب گھر کے افراد کو مکرمی فاروق صاحب کا انتظار تھا، وہ رات تشریف لائے چونکہ گھر کے آس پاس کا علاقہ اور پورا ٹپانزی روڈ کا علاقہ لوگوں سے بھر چکا تھا، اس لیے مکرمی فاروق احمد صاحب سیدھا سلطان شاہ تشریف لائے اور مشورہ ہوا کہ مولانا کا جسد خاکی سلطان شاہ لایا جائے، لوگوں کا جم غفیر گھر کے سامنے جمع ہوگیا، کیا جوان کیا بوڑھے عوام کیا خواص کیا، علما کیا طلبا سب چلے آرہے تھے، ایک مجمع یہاں گھر کے پاس جمع تھا دوسرا بڑا مجمع مرکز سلطان شاہ کے پاس جمع ہوتا چلا گیا، ہر ایک آنکھیں نم، دل بے قرار، ہر ایک دوسرے سے کہتا جارہا تھا ہائے! یہ کیا ہوگیا! کون سی دکھ کی گھڑی امت پر ٹوٹی ہے، کیا یہ مولانا کا انتقال ہوا یا کسی اور کا کہیں خبر تو غلط

نہیں، مگر جو ہونا تھا وہ ہوگیا، لوگ اس بات پر مطمئن ہوئے کہ واقعۃ حضرت مولانا کا وصال ہوگیا تھا، ہر طرف آہ وفغاں کا سماں تھا جو سنتا دم بخود ہو جاتا سلطان شاہ مرکز کو چاروں طرف سے فون آنے شروع ہو گئے، ہر حلقے کے ذمہ دار ساتھیوں کو فون آنے شروع ہو گئے آندھرا، تمل ناڈو، بیجاپور، ہبلی دھارواڑ، گدگ، داونگرہ، چتلدرگ، شیموگہ چکمگلور ٹمکور، گوا، ہلیال، ڈانڈیلی، میسور، چامراج نگر بس ہر جگہ سے فون آنے شروع ہو گئے، جو سنتا بس بے قرار ہو جاتا، اب لوگوں کی آمد شروع ہو گئی بنگلور کے لیے چاروں طرف سے ہر راستے پر لوگوں کو سواریوں سے آتا دیکھا گیا، رات تقریبا دس بجے حضرت مولانا کی میت مرکز سلطان شاہ لائی، لوگ ٹوٹ پڑ رہے تھے، مولانا کی میت کو آتا دیکھ کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اب ہر ایک چاہتا تھا کہ مولانا کو جس پلنگ پر رکھ کر لایا جا رہا تھا اس کو کاندھا دوں یا اس کو ہاتھ ہی لگا دوں، عجیب عقیدت تھی راستے سے اندر میت کو لے جانا بہت مشکل مرحلہ تھا اللہ کا کرم ہوا میت اوپر لے جائی گئی اور اوپر رکھ دینے کے بعد مشورہ ہوا ایک مولانا کی تدفین کہاں ہو؟ نماز جنازہ کا کہاں ہونا چاہیے؟ مکرمی فاروق احمد صاحب، حضرتؒ کے تمام صاحب زادے موجود تھے داماد و دیگر قریبی رشتے دار مولانا اکبر شریف صاحب، مولانا مفتی اسلم صاحب، دیگر علماء کرام، شہر کے ذمہ دار ساتھی جمع تھے، مکرمی فاروق صاحب نے یہ پوچھا وارثوں سے، حضرت کی کوئی وصیت اس سلسلے میں ہو تو بتلائیں! رام نگرم حضرت کا آبائی پیدائشی وطن تھا حضرت کے والدین اور بھائی وہیں مدفون تھے، حضرت کے بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی صاحب امیر جماعت رام نگرم مرحوم کی تدفین کے بعد جو خالی جگہ تھی حضرت نے کسی

موقعے پر فرمادیا تھا کہ یہ جگہ میرے لیے مخصوص رہے؛ مگر حضرت کے جوان صاحبزادہ مفتی عبدالرشیدؒ کا انتقال پرملال عین جوانی میں ہوگیا تو وہاں اس مخصوص جگہ کو جو حضرت نے اشارہ فرمایا تھا ان کی تدفین عمل میں آگئی، اللہ نے حضرت کے لیے روز اول سے بنگلور میں تدفین ہونا طے کر رکھا تھا، کافی مذاکرے کے بعد حضرت کے حاضر ورثاء رشتے دار متعلقین اور حضرت کی بیوہ صاحبہ نے یہ بتلایا کہ ہم مشورے کے تابع ہیں، غرض مشورے میں حالت کی نزاکت کو دیکھ کر چونکہ سارا صوبہ ٹوٹ پڑ رہا تھا، شہر کے احباب کا بھی کافی بڑا مجمع جمع تھا، دیگر صوبے جات کے لوگ بھی پروانہ وار ہر طرف سے چلے آرہے تھے، بنگلور ہی میں شاہ ولی اللہ حضرت عبدالرزاق صاحب کے پہلو میں دفن کرنا طے ہوگیا۔ دوسرا مرحلہ نماز کے وقت کے بارے میں تھا جو مختلف رائے آنے کے بعد صبح ٹھیک آٹھ بجے طے ہوگیا، پھر مسئلہ تھا حضرت کے غسل دینے کا، مکرمی فاروق احمد صاحب نے رائے لینی شروع کی، اس معاملے میں زیادہ تجربے کار لوگ ہیں، تقریباً کئی لوگ تیار ہوئے؛ مگر یہ سعادت حضرت مولاناؒ کے صاحبزادوں مفتی حسین احمد، مفتی سعید احمد، مفتی خلیل، مفتی عاقل، صاحبان اور بھائی عبدالغنی اور حافظ مجیب، اور برادرزادہ اسداللہ بھائی افتخار السور کے حصے میں آئی۔ ان سارے مراحل سے گذرنے کے بعد، اب مرحلہ آیا حضرت والا کی خاندانی مستورات کو حضرت والاؒ کا آخری دیدار کروانے کا، گھر میں بعض مستورات نے دیکھا تھا بعض نے نہیں دیکھا، سب ایک اور مرتبہ آخری بار دیکھنا چاہتی بھی تھیں، جس کی وہ مستحق بھی تھیں، غرض رات ایک بجے کے قریب بڑی مشکلات سے ان کو اوپر نیچے سلر سے گزروا کر اوپر پہونچایا گیا۔ اللہ ہی جانتا

ہے ان کے دلوں پر کیا گزری غم اور دکھ تو اس موقع پر فطری بات ہے، اللہ ان تمام کو ،تمام ذمہ داروں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے ایک نعمت تھی ایک اللہ کا انعام تھا ایک عطیہ تھا جو اٹھالیا گیا ،غرض اس کے بعد حضرت مولانا کے غسل دینے کی تیاری شروع ہوئی جو رات تقریبا چار بجے کے آس پاس مکمل ہوئی ،ان لوگوں کو دیدار کروانے کا مسئلہ تھا جس کے لیے لوگ بے قرار تھے اب وہ شروع ہوا تو نماز فجر تک جاری رہا۔حضرت مکرمی فاروق احمد دامت برکاتھم نے کمال دانشمندی سے جو ہر وقت جھلکتی رہتی اور ایسے مواقع پر پورے کمال کے ساتھ ظاہر ہوا کرتی ، کچھ خاص احباب کو اذان ہوتے ہی نماز پڑھوا کر تیار کرلیا گیا تھا،معمول کے مطابق ۲۰-۵ پر نماز جنازہ پڑھی گئی ،سارے مجمع کو نماز کی ترغیب دے کر بھیج دیا گیا،اور تمام لوگ جب نماز فجر میں تھے عجلت کے ساتھ میت کو احتیاط کے ساتھ اوپر سے نیچے منگوا کر ایمبولنس میں رکھوادیا ایک انتہائی حساس مسئلہ تھا جو حل ہوگیا ،بعد فجر حضرت مولانا اکبر شریف صاحب نے حضرت مولانا کی زندگی کے مختلف مراحل پر بصیرت افروز خطاب فرماتے رہے اس کے بعد مفتی اسلم صاحب نے بھی حضرت والا کے کارناموں اور قربانیوں پر روشنی ڈالتے رہے مرکز نظام الدین سے حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتھم نے تین احباب مولانا شوکت صاحب ،مفتی شہزاد صاحب، بھائی انعام صاحب دہلوی کو اپنا خط دے کر بھیجا تھا،مولانا شوکت صاحب نے ضروری خطاب فرما کر مجمع کی تشکیل فرمائی ،اندرون ملک اور بیرون ملک کے لیے بھی۔مفتی شہزاد صاحب نے حضرت مولانا سعد صاحب کا تحریر کردہ خط پڑھ کر سنایا، پھر مولانا شوکت صاحب نے مختصر دعا فرمائی وقت نماز جنازہ کا قریب آگیا

چاروں طرف مسجد کے صدر اور باہر مائک کا نظام منظّم طریقے سے کیا گیا تھا مسجد سلطان شاہ سے متصل نماز جنازہ کے لیے صفیں بنائی گئیں تو چھوٹا میدان، بورنگ اسپتال، چاندنی چوک اور ادھر انفنٹری روڈ سے ہوٹل ایمپائر سے بھی آگے نکلی ہوئی تھی، ایک جم غفیر، ایک انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر تھا، یہ کسی دنیاوی لیڈر کا جنازہ نہیں تھا بلکہ ایک اللہ کے مخلص بندے، ایک دین کے جان باز، ایک شریعت وسنت کے فدائی، ایک عارف باللہ، ایک محی سنت، اور ایک امت کے غم میں رونے اور گھلنے والے ہمدرد وغمخوار داعی الی اللہ، ختم نبوت کے وارث، عالم ربانی کا جنازہ تھا، جس کی زندگی سن ۱۹۶۲ سے ۲۰۱۶ تک اپنی طالب علمی سے لے کر نوجوانی، جوانی، ادھیڑپن، اور پیرانہ سالی کے تمام ادوار میں مسلسل بغیر رکے تمام قربانیوں کے ساتھ جانفشانی اور لگن کے ساتھ راحت وغم میں صحت میں اعذار میں، شہر بیرون شہر، صوبہ کرناٹک کا ایک ایک تعلقہ ایک ایک بستی ایک ایک ضلع، بیرون ملک اور اندرون ملک، وطنی سطح پر، عالمی سطح پر جس وقت جہاں کے لیے جو تقاضہ آیا: لبیک کہہ کے چلتے رہنے کی اخلاص اور استخلاص اور استقامت کی ایک نا قابل تصور، قابل تقلید اور زریں مثال ہے جواب ہمیشہ ہمیشہ کے ابدی اور راحت والی نیند میں سلادی گئی۔ ان کی نماز جنازہ تھی غرض مسلسل اعلانات کے جس کو بڑے زور وشور سے مکرمی فاروق احمد کرتے رہے، صفیں باندھ لی گئیں، ٹھیک آٹھ بجے نماز جنازہ مفتی حسین احمد صاحب نے پڑھائی۔

ہر تکبیر پر مسلسل لوگوں کی رونے اور بلبلانے آہ فغاں سے بھری ہوئی سسکیاں سنائی دیتی رہیں، لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں گر رہی تھی دل تڑپ رہے

تھے، ہاتھ پیر بعضوں کے لرز رہے تھے، غرض نماز جنازہ پوری ہوئی اور میت ایمبولنس کے ذریعے مدرسہ شاہ ولی اللہ روانہ ہوئی، مرکز سلطان شاہ سے مدرسہ شاہ ولی اللہ کا فاصلہ تقریبا آدھا گھنٹہ کا ہے؛ مگر یہ سفر حضرت والا کی میت کا تقریبا دوسوا دو گھنٹوں میں پورا ہوا ہر چار طرف سے لوگوں کا ہجوم آتا ہی گیا، چیونٹی کی رفتار سے مجمع چلتا رہا، ہر ایک آنسو میں ڈوبا ہوا، چہرہ اور دل رنجیدہ اور غم زدہ، مجمع میں سناٹا بھی تھا کبھی کبھی شوروغل کی آوازیں بھی آتی تھیں، حاجی عبدالرزاق صاحبؒ کے جنازے کے بعد یہ دوسرا ہجوم تھا جو مدرسہ شاہ ولی اللہ کی طرف رواں دواں تھا جنازے کے ساتھ ایمبولنس میں مکرمی فاروق احمد صاحب اور حضرت کے صاحبزادگان، رشتے دار اور دیگر احباب سوار تھے، غرض بڑی مشکل اور رک رک کر ایمبولنس حضرتؒ کے جنازے کو لے کر مدرسہ شاہ ولی اللہ کو پہنچ گئی، اب حضرت والا کے جنازے کو اتارنا وہ مرحلہ تھا جو سمجھ سے باہر تھا، ہر آدمی چاہ رہا تھا کہ جنازے کو ہاتھ لگا دوں یا تھوڑا سہارا ہی دیدوں، جذبات امنڈتے اور ابھرتے جارہے تھے، یہ انتہائی دشوار گذار مرحلہ تھا، حکومت کے کارندوں کو بعض وزراء جیسے جناب روشن بیگ صاحب بالخصوص ان حضرات کو حالات کی نزاکت کا اندازہ ہو چکا تھا، اس لئے حکومت کے احباب اور پولیس چوکنا ہو کر خود پولیس فورس کا نظام کر چکی تھی، بہر حال پولیس چاروں طرف سے ایمبولس کو گھیرے میں لے لیا، حضرت والا کا جنازہ اتار لیا گیا، مکرمی فاروق احمد دامت برکاتھم بڑی درد انگیز مختصر سے تقریر فرمائی اور رقت انگیز سسکیوں سے بھری دعا کے ساتھ تدفین عمل میں آئی۔ قبر میں مولانا کے صاحبزادے اور دیگر احباب اترے تھے، لوگ مٹی دینے کو بے تاب تھے، غرض لوگ

جوق در جوق یہ کام بھی کرتے رہے ، حضرت مولانا کو اپنے دیرینہ رفیق حاجی عبد الرزاق صاحب کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کی ابدی نیند سونے کے لیے اس زندگی بھر تھکے ہوئے مسافر کو اپنی آرام گاہ میں پہنچا دیا گیا۔

حضرت مولانا قاسم قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان

حضرت مولانا کے ساتھ قریشی لگا ہوا ہے ، قریشی سے کیا مراد ہے ، کچھ دین سے ناواقف لوگوں کے ذہنوں کی یہ پیداوار ہے کہ قصاب کو قریشی ، جراح کو خلیفہ ، اندھے کو حافظ جی کہا جاتا ہے ، حالاں کہ یہ بات یکسر غلط ہے ، یہ وہ القابات ہیں جن کا ان پیشوں سے ہرگز تعلق نہیں ، قریش وہ خاندان ہے ، جس میں پیارے آقا و مولا ساقی کوثر ، شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ، خلفا عموما خلفائے راشدین کو کہا جاتا ہے ، حافظ قرآن کا مقام اتنا بڑا ہے کہ (جس کا سینہ قرآن کے بوجھ کو اٹھایا ہے ، جس کو پہاڑ نہیں اٹھا سکے) اللہ کے نزدیک کیا ہے ہم کیا جانیں ، بہر حال اس بحث سے قطع نظر بات یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کو قریشی کیوں کہا جاتا ہے اس کا ایک سفر میں مذاکرہ بھی ہوا اور حضرت کے صاحبزادوں سے پتہ چلا کہ حضرت والا کا تعلق خاندان قریش سے ہے ، یہ حضرات اور خاندان دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے ان سے تین بھائی چل کر ہندوستان بھی آئے ان تین بھائیوں میں دو کی قبریں سلگٹہ کولار کے علاقے میں موجود ہیں ، انھیں کی اولاد سے حضرت مولاناؒ کے جد امجد دادا صاحبان کا تعلق ہے ، حضرت وہاں چل کر رام نگرم ، چلے آئے ، یہاں آکر ریشم کی تجارت شروع کی اور اس کے بڑے تاجر مولانا کے والد محمد غوث قریشی مرحوم نے رام نگرم میں قیام کیا اور تجارت

کرنے لگے، ان کی پہلی شادی دستگیر بی صاحبہ سے ہوئی جن سے تین لڑکے حاجی عبدالرؤف قریشی مرحوم اور امیر جماعت تبلیغ رام نگرم، منیر قریشی مرحوم ایک صاحب زادی اور حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب پیدا ہوئے جب حضرت کی عمر صرف آٹھ ماہ کی تھی ان کی والدہ دستگیر بی صاحبہ کا انتقال ہو گیا، مولانا شیر خوارگی کے زمانے میں یسیر ہو گئے، مولانا کے والد نے دوسرا نکاح کیا جن سے ایک صاحبزادہ رحیم قریشی اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں۔

مولانا رحمہ اللہ کی پیدائش

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کی پیدائش رام نگرم میں ہوئی بتاریخ ۲۵/مارچ ۱۹۴۶ء۔ والد محترم محمد غوث قریشی مرحوم، والدہ دستگیر بی مرحومہ، والد محترم محمد غوث قریشی مرحوم نے دو شادیاں کیں حضرت بڑی اہلیہ دستگیر بی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، والدہ کے انتقال کے وقت حضرت کی عمر صرف آٹھ مہینے تھے۔ حضرت والاؒ کے سگے بھائی ۳/سوتیلے بھائی ایک تھے سگی بہن ایک تھیں اور اور سوتیلی بہنیں پانچ تھیں، حضرت کی سگی والدہ سے (۱) عبدالرؤف قریشی صاحبؒ (۲) منیر قریشی صاحب مرحومؒ (۳) حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ اور ایک سگی بہن۔ دوسری والدہ سے چھ اولادیں ہوئی، بہنیں پانچ تھیں اور بھائی رحیم قریشی صاحب۔

حضرت رحمہ اللہ کا بچپن اور تعلیم

حضرت رحمہ اللہ کا بچپن والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دادی ماں صاحبہ اور پھوپھی صاحبہ نے پرورش کی حضرت مولانا والدہ کے چہیتے بیٹے تھے، وہ مولانا کو

اپنی نظروں سے دور نہیں رکھتی تھیں،عربی ناظرہ مقام ہی میں پڑھا،رام نگرم میں پرائمری اسکول میں داخلہ ہوگیا،مڈل اسکول پاس کرکے ہائی اسکول میں داخلہ لیا گیا،ہائی اسکول میں نویں جماعت پاس کرکے ایس ایس یل سی میں داخلہ لےلیا تھا ،وہاں خصوصیت کے ساتھ بڑے بھائی حاجی عبدالرؤف قریشی امیر جماعت رام نگرم ایک مدت اپنے والد سے ڈرکر چھپتے پھرتے تھے،وجہ:والد محمد غوث شریف صاحب مرحوم کی ناراضگی جو مولانا کو اپنی نظروں سے دور نہیں دیکھنا چاہتے تھے ۔غرض من جانب اللہ نظام ہوا مولانا دہلی گئے۔

حضرت مولانا کی نظام الدین بنگلے والی مسجد میں آمد اور تعلیم کا حصول

حضرت مولانا نظام الدین نئی دہلی ۱۹۶۱ء میں بغرض تعلیم دارلعلوم کاشف العلوم،بنگلے والی مسجد میں اپنے بڑے بھائی کی کوششوں سے داخلہ لیا اور وہیں رہ کر تعلیم حاصل فرماتے رہے،مولانا نے مدرسہ عربیہ کاشف العلوم میں رہ کر درس نظامی میں مکمل تعلیم حاصل کی،قرآن،حدیث فقہ،منطق،فلسفہ،عربی،اردو،فارسی علوم میں کمال حاصل کیا،وہ اپنے اساتذہ کے منظور نظر تھے،درمیان میں طبیعت بہت خراب ہوگئی،سارے بدن مین پھنسیاں آگئیں اور طبیعت بے حد خراب ہوگئی ؛مگر مولانا سب کچھ برداشت کرکے جمے رہے اور ۱۹۶۹ء میں سند حاصل کی،حضرت مولانا ساتھ ہی ساتھ دعوت وتبلیغ کی محنت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور خوب جم کر دلی اور آس پاس کام کرتے رہے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کے اساتذہ

حضرت جی انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ سے بخاری شریف پڑھی، حضرت مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحبؒ حضرت کے مایہ ناز اساتذہ میں سے ہیں اس زمانے میں مولانا یوسف صاحبؒ بھی پڑھایا کرتے تھے؛ مگر چونکہ مولانا کا داخلہ نچلی جماعت میں ہوا تھا تو اس لئے تعلیم ان کے پاس سے تو حاصل نہ کر سکے: مگر مولانا یوسف صاحبؒ کے بیانات، ملفوظات، اور باتوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر کے لے آئے تھے، اب بھی مولانا کے کتب خانے میں موجود ہے۔

حضرت مولانا کے ہم سبق علماء

حضرت مولانا چراغ الدین صاحب، حضرت مولانا یوسف صاحب سلونی وغیرہ حضرات تھے،

حضرت مولانا کی نظام الدین سے واپسی اور ایک سال کا لگانا

حضرت مولانا رحمہ اللہ ۱۹۶۹ء میں رام نگرم تشریف لائے اور ایک سال کے لیے تشریف لے گئے پورے کرناٹک کے مختلف علاقوں میں وقت لگاتے رہے پھر سال بھر مقام میں رہ کر مقامی کام کرتے رہے اور بنگلور تشریف لاتے رہے اس زمانے میں جب مولاناؒ بنگلور تشریف لاتے تو مولانا انتہائی مشقتوں وقربانیوں کے ساتھ تشریف لاتے رہے کو ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں نیا نیا آیا تھا میرے پاس تجارت کا کوئی خاص نظام نہیں تھا؛ مگر دعوت کے نام پر میں اپنے گھر رام نگرم سے

چلتا ہوا باز و ریلوے اسٹیشن میں تھا وہاں تین مہینوں کی پاس لے رکھی تھی، چلتا ہوا گھر سے آتا اور ٹرین میں سوار ہو جاتا، مجسٹک میں آ کر بنگلور اتر تا چل کر کمہار پیٹ آتا دعوت کے نام پر دن بھر پڑا رہتا اللہ کہیں سے کچھ کھلا دیتا تو کھا لیتا ورنہ شام کو چلتا ہوا میں کمہار پیٹ سے مجسٹک ریلوے اسٹیشن پہنچ کر ٹرین میں سوار ہو کر گھر جاتا اور گھر جا کر اللہ جو دیتا وہ کھا لیا کرتا تھا، بہر حال دعوت کی محنت جم کر حضرت والا کی ذات سے ہوتی رہی، اور قربانیاں اللہ آپ سے لیتا رہا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا نکاح

ایک سال وقت لگانے کے بعد نظام الدین حضرت مولاناؒ واپس پہونچے سال بھر وہاں سے لوٹ کر مقام پر رہے، پھر حضرت مولانا کی نکاح کی تحریک شروع ہوئی ، یہ تحریک شروع کرنے والی خاتون حضرت مولاناؒ کی خوش دامن مہر النساء آپا تھیں ، جو آر، ٹی ، او، محبوب اللہ شریف صاحب کی اہلیہ محترمہ تھیں بچپن ہی سے دینی ذوق پایا تھا، اجتماعات میں وہ شریک ہوتی رہیں، دل میں دعوت کے کام کی عظمت پیدا ہوتی رہی، نکاح کے بعد وہ اپنے شوہر آر ٹی وہ محبوب اللہ شریف صاحب کو دعوت کے کام میں جوڑ لیا اور یہ چاہتی تھی کہ ان کی صاحبزادی کا نکاح کسی مولانا سے ہو ،حضرت مولانا کی واپسی کے بعد ان کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے شوہر آر ٹی وہ شریف صاحب کو جوان دنوں دھاڑواڑ میں آر ٹی وہ آفیسر تھے بنگلور روانہ کیا، وہ آ کر بنگلور میں حاجی عبد الرزاق صاحب مرحوم اور مرحوم عبد المالک صاحب سے رجوع ہوئے ،ان دونوں کو رام نگرم روانہ کیا رشتہ الحمد للہ طے ہو گیا؛ مگر آر ٹی وہ شریف صاحب کے رشتے داروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ وہ اپنی لڑکی ایک عالم کو

دے رہے ہیں، میاں بیوی کی آپس میں بات چیت بھی ہوئی مگر خوش دامن صاحبہ کی استقامت پر خسر صاحب نے بھی حامی بھرلی، یہ نکاح ۶/اگست/۱۹۷۱ء کو مسجد کمہار پیٹ میں ہوا، حضرت مولانا علامہ ابوالسعود صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارلعلوم سبیل الرشاد نے نکاح پڑھایا اوراس محفل میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ منشی اللہ دتہ بھی تھے جنہوں نے دعا کی دیگر ذمہ داروں نے نکاح میں شرکت کی اور نثار احمد حضرت نے نکاح کا بیان کیا۔

مولانا رحمۃ اللہ کی اولاد

مولاناؒ کے آٹھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں، مفتی محمد طاہر صاحب قریشی ۱۹۷۲ء، مفتی محمد طیب صاحب قریشی ۱۹۷۳ء اہلیہ مولانا عبدالحلیم صاحب ۱۹۷۵ء اہلیہ مشتاق احمد صاحب ۱۹۷۵ء، مفتی حسین احمد قریشی ۱۹۷۹ء مفتی رشید احمد قریشی مرحوم ۱۹۸۰ء مفتی خلیل احمد قریشی ۱۹۸۲ء اہلیہ ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب ۱۹۸۴ء مفتی سعید احمد قریشی صاحب ۱۹۸۵ء مفتی محمد عمر قریشی ۱۹۸۷ء مفتی عقیل احمد قریشی ۱۹۸۹ء مولانا رحمۃ اللہ کے سارے صاحبزادے حافظ قرآن ہیں اور جید علما و مفتیان ہیں، اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ کئی پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں حافظ بن گئے، دینی علوم سے آراستہ ہو رہے ہیں اور کئی علماء بن کر (دعوت و تبلیغ کی) محنت میں لگے ہوئے ہیں، مفتی طاہر قریشی صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم رام نگرم کے مہتمم ہیں، دوسرے صاحبزادگان بعض تو مدرسہ شاہ ولی اللہ میں مدرس ہیں اور بعض مدرسہ سلطان شاہ میں مدرس ہیں مگر تمام کے تمام صاحبزادے اور صاحبزادیاں دعوت کے کام میں خوب جم کر لگے ہوئے ہیں۔

مولانا رحمہ اللہ کا اپنے خاندان والوں کے ساتھ سلوک

چونکہ حضرت مولاناؒ اپنے بڑے بھائی کی تحریک پر بعد یس یس یل سی کے نظام الدین گئے تھے، زندگی بھران کے احسان مندر ہے، کبھی امیر صاحب کے علاوہ بھائی سے کوئی اور نام سے مخاطب نہ ہوتے تھے تمام بھائی بہنوں کے ساتھ سگے ہوں یا سوتیلے یکساں سلوک تھا، ہر ایک سے ملنا اوران کے احوال دریافت کرنا، ان کی ضرورت پر مدد، مشورے، مال سے ہمدردی سے، اس سے کبھی دریغ نہ تھا ان تمام بھائی بہنوں کے ہر کارخیر میں ہر ضرورت میں پیش پیش رہتے، نہ صرف بھائی بہن بلکہ والدہ صاحبہ کی اولاد کی بھی مولاناؒ خبر گیری فرماتے، بڑے بھائی عبدالرؤف قریشی مرحوم کا جب انتقال ہوا تو مولاناؒ علاج کے سلسلے میں کیرالہ میں تھے، مولانا کا پیٹھ کا آپریشن ہوا تھا، جنازے میں شریک نہ ہو سکے، مولاناؒ نے بھائی صاحب کے انتقال کی خبر سن کر انتہائی رنجیدہ ہوئے، اور بھائی کے نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے کا غم اور آپریشن کی تکالیف مولانا نے رشتے داروں سے ملنے والے سے کہا کرتے تھے کہ وہ میرے بھائی نہیں بلکہ میرے والد تھے، جو انتقال کر گئے، منیر قریشی صاحب کا جب انتقال ہوا تو مولانا مجسم غم بنے ہوئے تھے؛ مگر ان اللہ والوں کی گھٹی میں صبر ڈالا گیا ہے، وہ جتنا حالات پر رنجیدہ ہوتے ہیں، اتنے ہی صابر وشاکر بن کر مالک دوجہاں اللہ رب العلمین کے فیصلوں پر راضی رہا کرتے ہیں یہی ان بزرگوں کا وہ وصف ہے جو قابل عمل قابل تقلید ہے، حضرت مولانا کی حقیقی والدہ تو بچپن میں شیر خوارگی کے زمانے میں انتقال فرما گئیں، سوتیلی ماں حیات ہیں، مولاناؒ نے ان

کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو حقیقی ماں کے ساتھ بیٹا کرتا ہے، چند سال قبل اپنی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادوں کے ساتھ حضرت مولانا نے ان کو حج پر روانہ فرمایا تھا۔

مولانا رحمۃ اللہ کے معمولات

یہ بتانے کی ضرورت نہیں، ساری دنیا جانتی ہے کہ مولانا کی پوری زندگی دعوت الی اللہ تعلیم وتعلم عبادت واطاعت، شریعت وسنت کی پیروی واتباع، ذکرو تلاوت میں گذری ہے، دعوت وتبلیغ کے وہ جان باز مجاہد تھے زندگی کے کسی بھی موقعے پر اس کے تقاضوں پر نہیں کیا، جوانی میں ادھیڑ پن میں، پیرانہ سالی میں، بیماریوں میں اعذار میں، جب صوبہ بیرون صوبہ، ملک بیرون ملک جہاں تقاضا آیا اس پر ہمیشہ لبیک کہہ کر چلتے رہے، مولانا نے مصر، سعودی عرب، ملک شام قطر، شارجہ، دوبئ، فلسطین، اور یمن دیگر کئی ممالک کے اسفار کئے، انڈونیشیا ملیشیا ملکوں کا بھی آپ نے سفر کیا، مکمل اسفار کی فہرست بڑی طویل ہے، غرض دنیا کے کئی علاقوں کے اسفار آپ نے کئے، صوبۂ کرناٹک کا چپہ چپہ صوبۂ تمل ناڈو، کیرالہ راجھستان، صوبۂ آندھرا کے علاقوں میں آپؒ کے مسلسل اسفار سیکڑوں کی تعداد میں ہوئے، ۱۹۷۱ء میں فراغت کے بعد ۲۰۱۶ء تک اس مرد مومن فنافی الدعوت والتبلیغ نے ۱۹۶۲ء میں اپنی طالب علمی کے دور سے لے کر اپنے وصال ۲۰۱۶ء تک تو تقریبا پچپن سالوں کا طویل عرصہ اپنے آپ کو لٹا کر مٹا دیا ، تہجد سفر اور حضر میں کبھی ناغہ نہیں ہوئی، رات بارہ بجے بھی ایک دو بجے بھی گھر آتے تو تھوڑی دیر آرام کر کے تہجد میں جب تک پیروں میں طاقت رہی کھڑے ہو کر اور آخری دور میں بیٹھ کر اللہ کے حضور میں نماز یں پڑھ کے بلبلا کر رویا کرتے تھے، تسبیحات وتلاوت کا بھی خصوصی معمول تھا سفر

حضر میں تسبیحات وتلاوت کی خوب پابندی کرتے اور دوران حج وعمرہ تبلیغی اسفار کے موقع پر معمولات کی تسبیحات وتلاوت کی بڑی پابندی فرماتے ،مولانا کا کتب خانہ گھر میں بھی تھا اور مرکز سلطان شاہ میں بھی تھا ،جس میں مختلف فنون کی کتابیں تھیں جو مستقل زیر نظر رہا کرتی تھی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کو خلافت ملی

حضرت مولانا رحمہ اللہ کو حضرت مولانا طلحہ صاحب دامت برکاتھم بن حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحبؒ سے خلافت ملی ہے اور حیدر آباد کے امیر عالی جناب نعیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے بھی خلافت دی ہے،اور کہیں سے خلافت ملی ہے اس کا پتہ نہیں چلا۔

علم سے گہرا تعلق اور اہل علم علماء اور طلبا سے خصوصی تعلق

یوں تو مولانا کی ذات مرجع تھی ،تمام طبقات کے لئے ،مولاناؒ ایک انتہائی درجے کے عالم ربانی ،صاحب زبان ،صاحب دل ،صاحب اخلاق وسلوک ،محی السنۃ ،حکمت وعلم کا مخزن ،جہاں دیدہ ،وجیاں بینا ،گونا گوں صفات کی جیتی جاگتی اللہ کے قدرت کی نشانی تھی اردو پر جس طرح عبور تھا عربی زبان پر بھی کامل عبور تھا ،قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں آپ کے نوک زبان پر تھی تو ہزاروں احادیث آپؒ ہمیشہ سنایا کرتے تھے عربی اردو اشعار کا کافی مجموعہ آپ کے پاس تھا ،واقعات دل کو لگنے والے ،پرفکر پرلطف حکایات قرآن مجید کی تفاسیر کے دریا ،علوم میں غرق ہوکر انبیاء علیھم الصلوۃ والسلام حضرات صحابہؓ ،حضرات اولیاء حضرات فقہاء حضرات محدثین ،دنیا کے بڑے بڑے مؤرخین اور وزیر سیاست دان اصحاب شان وشوکت

وغیرہ لوگوں کی ایک مکمل زندگی آپ کے سامنے ہوا کرتی تھی، تمام طبقات کے علما کرام، اہل مدارس و مکاتب شیوخ و اہل اللہ حضرت مولاناؒ سے آ کر ملا کرتے تھے، مشورہ کیا کرتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ صوبۂ کرناٹک بلکہ پورے جنوبی ہندوستان کے لیے آپ کی شخصیت علمائے کرام اساتذۂ کرام خطبائے کرام، ائمہ کرام کے لیے ایک جیتی جاگتی قابل تقلید، قابل عمل مبارک ہستی تھی۔

مولانا رحمہ اللہ اور مدارس کا قیام

حضرت رحمہ اللہ نے پورے کرناٹک، پورے جنوبی ہند، پورے ملک اور بیرون ملک میں پتہ نہیں کتنے مدارس کے وجود کا ذریعہ، کتنے ہی علمائے کرام کے جماؤ کا ذریعہ تھے، پورے صوبے میں علما کے لیے سال سال لگوانے واپسی کے بعد مختلف مدارس و مکاتب، مساجد میں ان کے تقرر کے محرک تھے، ان کی استقامت کے لیے کوشاں و فکرمند تھے، طلبائے کرام علمائے کرام، مفتیان عظام، حفاظ کو دیکھ کر خوش ہوتے اور ان کو دعوت و تبلیغ کی طرف متوجہ کرتے، ایک جم غفیر علمائے کرام کا آپ کی کوششوں سے سال سال لگانے والا بنا، حضرت مولانا خود بھی رام نگرم میں مقامی حضرات کو لے کر مدرسہ مدینۃ العلوم کو قائم فرمایا،، دار العلوم شاہ ولی اللہ حاجی عبد الرزاق صاحب کی معاونت اور کوشش سے قائم ہوا، تو سلطان شاہ حاجی فاروق احمد صاحب دامت برکاتھم اور دیگر رفقائے کرام کو ساتھ لے کر قائم ہوا اسی طرح صوبے کے مختلف مقامات اور دیگر صوبے جات کے مقامات میں کئی مدارس قائم ہوئے، ان مدارس کی کڑی کہیں نہ کہیں سے حضرت مولانا کی ذات سے ملا کرتی ہے۔

صوبۂ کرناٹک کے ارواح ثلثہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ جس طرح آزادی ملک کے بعد مسلمانوں کو ٹھہرانے کے ذمہ دار بن کر ارواح ثلثۃ کی شکل میں مسلمانوں کی ڈھارس کا ذریعہ بنے ،حضرت جی مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ ،حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ ،حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ دعوت وتبلیغ کے ارواح ثلثۃ بن کر اس کام کو سنبھالے ہیں ،۱۹۵۲ء کے بعد بابو عبدالرحیم خان صاحب بھوپالی کی جماعت کے آمد کے بعد صوبۂ کرناٹک میں دعوت کا کام شروع ہوا،حاجی ہدایت اللہ رحمانیؒ ،حاجی اکبر شریفؒ ایک کے بعد دوسرے امیر بنائے گئے پھر حاجی اکبر شریفؒ کے زمانے میں ہی آں حضرت جی انعام الحسنؒ نے شوری بنائی ،جس میں حضرت مولانا علامہ ابو السعود صاحبؒ ،اکبر شریف صاحبؒ حاجی آر کے نور محمد ،حاجی اے محمد اسماعیل ،اور صوبہ کرناٹک کے ارواح ثلاثۃ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ حاجی عبدالرزاق صاحبؒ اور مکرمی حاجی فاروق احمد صاحب دامت برکاتھم وفیوضھم نے دعوت وتبلیغ کے کاموں کو انتہائی تدبر، جانفشانی ،قربانیوں اور کاوشوں کے ذریعے صوبۂ کرناٹک کے کونے کونے میں پہنچایا، چار احباب کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان تین ارواح ثلاثہ نے ایک جان تین جسم بن کر جس طرح اخلاص استخلاص ،استقامت ،آپسی ،جوڑ ومشورے کے ساتھ ہم جٹھ کر ایک دوسرے سے کمال درجے کی محبت کرتے ہوئے ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے کام کو سنبھالا اس کی مثال نایاب نہیں تو کمیاب تو ضرور کہی جاسکتی ہے،ان تینوں ارواح ثلاثہ کا جوڑ قابل دید قابل

تقلید، قابل رشک تھا، ایک نہ ہوتے تو دونوں ایک کا انتظار کیا کرتے تھے، دونہ ہو تے تو ایک ان دونوں کا انتظار کرتے ،غرض کمال اتحاد کمال احتیاط، اتحاد فکر اور اجتماع قلوب کا یہ تینوں ارواح ثلاثہ مظہر تھے، حاجی عبدالرزاق صاحب مرحوم کی نعش کو دیکھ کر حضرت مولانا اور مکرمی فاروق صاحب کا رونا اور بلبلانا اور حضرت مولانا قاسم قریشی رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر چنتامنی کے ایک باغ میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد مکرمی فاروق صاحب دامت برکاتھم کے ساتھ گئے احباب بتلائے پورے سفر میں روتے ہوئے واپس مدن پلی کے علاقے بنگلور آنا نماز مغرب اور عشا کے موقعہ پر آنسوؤں کا گرنا اور حضرت مولانا رحمہ اللہ کی تدفین کے موقعے پر انتہائی درد بھری ہوئی آنسوؤں کے دریا گراتے ہوئے رقت آمیز دعا کرنا اس بات کی نشاندہی ہے کہ ان تینوں کے جوڑ کا کیا عالم تھا، اللہ تادیر ہم تمام شہریان بنگلور وصوبۂ کرناٹک پر بلکہ بیرون ملک کام کرنے والوں پر مکرمی حضرت فاروق احمد صاحب دامت برکاتھم کا سایہ باقی رکھے، ان سے استفادہ کرنے کی ،فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

یہ کوئی مبالغہ یا چاپلوسی کی بات یا تحریر نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جس کو تبلیغ کی سمجھ بوجھ رکھنے والے خواص تو خواص ہیں عام سے عام بھی سمجھ سکتا ہے۔

مسجد انصار اور حاجیوں کا جوڑ

دعوت وتبلیغ کے نام سے صوبۂ کرناٹک میں کئی مساجد بنیں، اس کا محرک بھی حضرت مولانا رحمہ اللہ کی ذات تھی، صوبہ کرناٹک میں کئی مقامات پر ساتھیوں پر حالات آئے مسجدوں سے ان کو نکالا گیا، مارا پیٹا گیا، کئی الزامات لگائے گئے

،دعوت کا یہ کام برداشت کرو، جھیلو، سب کی سنو، اپنے کام پر جمے رہو، کی ملی ترتیب پر چلتا رہا؛ مگر جب حالات بد سے بدتر ہوتے گئے بعض مقامات پر لوگوں نے شدت اختیار کی تو حضرت مولانا نے پہلے پہل خود رام نگرم میں ٹرسٹ بنا کر مسجد انصار قائم کی جس کے لیے باقاعدہ مشورہ کیا گیا اور صوبے کے ذمہ داروں سے رائے لی گئی، غرض اس ٹرسٹ کا بننا تھا صوبۂ کرناٹک کے مختلف اضلاع میں مقامات پر اس کی نقل میں کئی مسجدیں دعوت کی نسبت سے بنتی چلی گئیں، اب اطمنان کے ساتھ وہ طبقہ جو تذبذب کا شکار تھا کہ کیا کرنا چاہیے ان کو ایک مقام پر بیٹھ کر دعوت کے کام کو سیکھنے سمجھنے اور کام میں جڑنے کا موقع ملتا گیا،،عوام میں خواص میں علما میں انگریزی پڑھے لکھے طلبا، مدارس کے طلبا میں کام پھیلتا گیا اور جمتا گیا بنگلور سے نکل کر کام صوبۂ کرناٹک کے ہر ضلع میں میسور، منڈیا، چامراج نگر، ہاسن ،چکمگلور، شیموگہ، داونگرہ، ہلیال، گوا، کولار، ٹمکور، دھرم پوری، سیلم، اننت پور، رائے درگ، رائے چوٹی، مدن پلی وغیرہ اضلاع میں پھیلتا گیا اور جمتا گیا، بنگلور کی شوری ہر ضلع اور تعلق وعلاقے کے مسجد وار ساتھی جم کر کام کرنے لگے، نظام الدین حاضری ہوتی رہی، ماہانہ جوڑ کے ساتھ ہر چار مہینے میں صوبائی جوڑ ہونے لگے پھر ان میں تعداد عوام کی بڑھتی گئی، تو سالانہ دو جوڑ پھر ایک سالانہ صوبائی اضلاع میں ہونے لگا، پھر رفتہ رفتہ یہ اجتماعات ضلع وار ہونے لگے غرض ان تمام صوبائی، اضلاعی، تعلق وار محنتوں میں حضرت مولاناؒ اپنے رفقاء، اور ارواح ثلثہ کی یہ جماعت چلتی رہی کام ہوتا رہا اور بڑھتا رہا ساتھ ہی ساتھ حاجیوں کے جوڑ کا انعقاد ہونے لگا، ممبئی میں حاجیوں کی محنت ہوتی رہی، اور میسور میں حاجیوں کا جوڑ ہونے لگا، پھر حضرت

مولانا رحمہ اللہ کی سرپرستی میں رام نگرم میں پچھلے کئی سالوں سے ہوتا رہا، جہاں نہ صرف حج کے تمام ارکان بتلائے جاتے بلکہ تمام کاموں کو ایک ترتیب کے ساتھ کرکے بھی بتلایا جاتا ہے، طواف کیسے کریں، سعی کیسے کریں، مکہ میں حاضری اور مدینے میں حاضری کی کیفیات بتلائی جاتی ہیں، جس میں کئی مجالس ہوا کرتے تھے، مکرمی فاروق احمد صاحب دامت برکاتہم اور حاجی عبد الرزاق صاحب مرحوم کی حاضری بھی وقتاً فوقتاً ہوا کرتی تھی، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا اکبر شریف مدظلہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب، نثار حضرت، اور دیگر کئی حضرات بھی خطاب کیا کرتے تھے، حضرت مولانا رحمہ اللہ کی کئی مجالس ہوا کرتی تھی، مکہ مدینہ کے حالات سناتے وقت مولاناؒ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوا کرتی تھی، مدینہ کی حاضری اور وہاں کا حال سناتے سناتے مولاناؒ پر رقت طاری ہو جاتی، مولانا خود روتے رہتے اور سارا مجمع بھی زار زار رویا کرتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ کو عشق تھا سنت اور شریعت سے جو محبت تھی وہ ظاہر ہوتی تھی، حضرت مولانا رحمہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت پڑھی جاتی تو ایک بے خودی کے عالم میں کھو جاتے نعت خود بھی سنتے اور دوسروں کو بھی سناتے الحاج مصطفیٰ صاحب رام نگرم مرحوم بہت اچھے انداز میں نعت پڑھا کرتے تھے، مولانا ان سے اکثر نعتیں سنا کرتے جب حضرت مولانا اقاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی نعت، نبی اکرم شفیع اعظم، دکھے دلوں کا پیام لے لو، اس کو سنا تو مصطفیٰ صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ مولانا رحمہ اللہ روتے روتے ہچکیوں پر آ گئے، یہی حال سفر حضر کا تھا، نعتوں کے سننے کا مولانا رحمہ اللہ کا معمول تھا، بہر حال حج کے موقع پر

یہ معمول جاری رہتا، بیانات کے آخر میں جب حضرت مولاناؒ دعا کرتے تو اس قدر مولاناؒ پر رقت طاری ہو جاتی کہ حد نہیں سارا مجمع روتے روتے سسکیوں پر آ جاتا صرف اس دعا کے لئے کئی لوگ صوبۂ کرناٹک کے علاقوں سے بالخصوص بنگلور آیا کرتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ کی تقاریر اور دعائیں

یہ وہ مضمون ہے جس پر قلم اٹھانا محال ہے ۱۹۶۲ء سے ۲۰۱۶ء جولائی کے تیسرے ہفتے تک اپنے وصال تک مولانا نے بے شمار بے حد و حساب تقریریں کی ہیں جن کا موضوع عموماً توحید و رسالت، آخرت، نماز، ذکر و تلاوت اخلاق و کردار ۔معاملات و معاشرت، اخلاص وللّٰہیت، تفریغ وقت، اللہ کے راستے میں جان و مال قربان ہوا کرتی تھی، علم کی اہمیت اخلاق و کردار کی ضرورت غرض مضامین کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو تقاریر میں دیکھا اور سنا جاتا تھا، مولانا کی ہزاروں تقریروں کے کیسٹ بنے، اندرون ملک اور بیرون ملک، اندرون کرناٹک اور بیرون کرناٹک اور دیگر صوبے جات میں سنی جاتی تھیں، تقریریں کبھی پر تکلف حکایات سے واقعات سے ہلکی پھلکی مزاح سے بھری رہتی تھی، جب سیرت کا بیان ہو تا تو مولاناؒ کا ادب اور رقت انگیزی دل کی بے چینی اور کرب ظاہر ہوا کرتا تھا، اولیا کے بارے میں حضرت مولاناؒ کی تقریر شان اولیاء کے نام سے ہوئی ہے، جو اس موضوع پر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے، حضرات صحابہ اور اپنے اکابر کے بارے میں حضرتؒ کو ایک وسیع معلومات کا حفظ ذخیرہ ملا تھا جو حسب ضرورت حسب موقع ظاہر ہوا کرتا تھا، غرض ایک دردمند دل تھا ایک بر قرار روح و جسم تھا جو امت کے غم

میں انسانیت کے غم میں ساری زندگی قربانی و جانفشانی کے ساتھ چلتا رہا، گھٹتا رہا یہاں تک اسی غم کے ساتھ ایک اپنے ساتھیوں کے مجمع کو تیار کر کے چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا عربوں میں ایک سال

۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے عربوں کے ساتھ عرب ممالک میں جیسے ملک شام سعودی عرب کے علاقوں میں ایک سال لگایا، جاتے وقت اپنی زندگی کا پہلا حج کیا اور واپسی میں دوسرا حج کیا، یہاں سے اہلیہ محترمہ اپنے محرم رشتے داروں کے ساتھ (یہ سننے میں آیا کہ) اپنے زیورات بیچ کر حج کے لیے تشریف لے گئی تھیں۔

مولانا رحمہ اللہ کے آخری ایام آخری رات اور آخری دن (گھر سے لے کر لحد تک)

جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں انتہائی رنجیدہ، انتہائی غم زدہ، بے چینی اور بے قراری کی کیفیت میں تھے ، کچھ گھریلو حالات بھی تھے، کچھ موجودہ حالات بھی اس کے ضامن تھے، حضرت مولاناؒ رمضان کے دوسرے عشرے میں عمرے کے لیے تشریف لے گئے، بڑی بے قراری کے ساتھ آپ نے وہاں اللہ شانہ کے دربار میں پتہ نہیں کیا کیا دعائیں کیں ، واپس تشریف لائے تو پیر کی تکلیف شروع تھی، جو پرانی تکلیف تھی، بہر حال مولانا حالات کے ساتھ صلح کر کے چلتے رہے مگر طبیعت آہستہ آہستہ گلانے لگی، جمعہ کی

شب حضرت مولاناؒ سلطان شاہ مرکز سے گھر تشریف لے گئے پہنچتے ہی بخار اور سردی شروع ہوگئی جس نے شدت اختیار کرلی کئی کمبل اڑھانے کے باوجود سردی اور ٹھنڈ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، کبھی کبھی اس رات بے قراری کے عالم میں جو زندگی کی آخری رات تھی، یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے اب تو بلا لے، یا اللہ مجھے اب تو بلا لے! کبھی کہتے، پھر بعد میں پھر وہی الفاظ یا اللہ مجھے بلا لے، دوائیاں دی گئیں مگر کچھ افاقہ نہ ہوا صبح ہوگئی فجر کی نماز ادا کی گئی ڈاکٹر الطاف آئے انہوں نے انجکشن دیا تو بخار اور سردی کی شدت میں کمی آ گئی، مگر دست اور قے شروع ہو گئے، حضرت مولاناؒ کا چکنا یکنا ہلی کا سفر طے تھا تو مولانا اکبر شریف صاحب کو وہاں جانے کے لیے تیار فرمایا جب وہ تیار ہو گئے تو سنا ان کے لیے بہت دعائیں کیں بھائی آصف ٹمکور سے معذرت کی کہ میری طبیعت خراب ہے میں نہیں آسکوں گا بہر حال طبیعت بگڑتی گئی ظہر کی نماز آپ نے اصرار کر کے اول وقت میں ادا کی اور کبھی کبھی گھر کے دروازے کی طرف دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے پھر عصر کی نماز کا بھی اول وقت ادا کرنے کا تقاضا کیا، اور عصر کی نماز ادا کر لی، یہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی زندگی کی آخری نماز تھی نماز کے بعد گھر کے باہر تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے گئے وہاں الفاظ ،،،،،،،،، یہ بار بار فرماتے رہے، پھر گھر کے اندر تشریف لائے اور حاجت ضروریہ کے لیے تشریف لے گئے بہت دیر تک اندر سے باہر نہ آئے تو اہلیہ محترمہ نے بچوں سے کہا معلوم تو کرو دیر ہو گئی، بچوں نے باہر سے آواز دی اور کہا ابا! کسی بات کی ضرورت ہے؟ ہم آپ کی مدد کریں! تو فرمایا: ہاں! تو بچے ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے، مولانا باوضو اندر سے آئے، بچوں نے کہا ہم ڈاکٹر کو بلائیں یا سواری

میں ڈاکٹر کے پاس چلے جائیں؟ مولانا نے کہا میرے پیروں میں طاقت ہی نہیں معلوم ہوتی ۔ پھر یکا یک حضرت مولانا اپنے گھر جہاں نماز کی جگہ طے تھی وہاں پہونچے اور سجدے میں چلے گئے یہ ان کا آخری سجدہ تھا، سبحان ربی الاعلی کہتے ہوئے اللہ کے حضور میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تشریف لے گئے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا رحمۃ اللہ کے لیل ونہار

(جب اس رسالے کا مسودہ مفتی محسن صاحب داونگرہ کے ذریعے حضرت مولانا اکبر شریف صاحب دامت برکاتھم کی خدمت میں بھیجا تو حضرت سے ملاقات نہیں ہوسکی اور سلطان شاہ میں جناب فخر الدین صاحب سے ملاقات ہوئی جو حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ کے خادم خاص ہیں تو انہوں نے یہ معمولات ازخود بھیجے ہیں)

رمضان کے مہینے میں پوری رات قرآن کریم کی تلاوت وذکر میں مشغول رہتے ،تہجد کے وقت اٹھتے اور تہجد سے فارغ ہوکر سحری نوش فرماتے ،سفر میں کتنی بھی تکان ہو تہجد ناغہ نہیں ہوتا تھا ،اور اشراق ،چاشت اور اوابین کا بھی خصوصیت سے اہتمام کرتے تھے جمعہ کے دن سورہ بقرہ پڑھتے اور عصر کے بعد درود شریف پڑھتے رہتے ،عام حالات میں استغفار کی بہت کثرت کرتے تھے ،جب بھی سفر سے لوٹتے تو گھر نہیں جاتے سب سے پہلے مرکز سلطان شاہ تشریف لے جاتے ،مولانا کی پوری زندگی اللہ کے گھر اور مسجد میں ماحول میں گذری جب مولاناؒ کا گھر رام نگرم تھا تو اس وقت بنگلور میں مولانا کا قیام سلطان شاہ میں ہی ہوتا تھا ،اور جب رام نگرم میں ہوتے تو عصر سے عشا تک کا وقت مسجد انصار میں گذرتا تھا ،اور لوگ جوق در جوق مولانا سے مستفید ہوتے اور مشورے لینے دور دور سے آتے اور مولانا بھی سب کو مفید و نیک مشوروں اور نصیحتوں سے فائدہ پہونچاتے ،مولانا سخی المزاج تھے رمضان المبارک میں اپنی طرف سے خادمین کو کپڑوں اور وظائف سے نوازتے

خصوصیت سے خادم خاص فخرو کو بہت زیادہ وظیفہ دیتے ،اور مولانا نے فخرو کو حج پر بھی بھیجنے کا ارادہ کیا تھا مگر سوء اتفاق مولانا اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، جزاک اللہ احسن الجزاء

سالار کی رپورٹ کے مطابق امیر شریعت مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتھم کا بیان

امیر شریعت کرناٹک حضرت مفتی اشرف علی صاحب باقوی جو اس وقت تملناڈو کے سفر پر ہیں، بذریعہ فون نمائندہ سالار کو بتایا کہ ابتدا میں دعوت وتبلیغ کی محنت میں ہم بھی حضرت والا کے ساتھ رہے۔مولانا نے اپنے آپ کو دعوت تبلیغ کے لیے وقف کردیا اور اپنی پوری زندگی اس میں لگادی،صرف کرناٹک میں نہیں ؛ بلکہ مختلف صوبوں میں آپ دعوت وتبلیغ کے کام میں سرگرم رہے آپ کی اچانک رحلت کی خبر سن کر ہمیں کافی صدمہ پہونچا۔حضرت والا کی رحلت کی خبر سن کر کرناٹک اور بیرون کرناٹک کے کئی عربی مدارس کے علماء اور طلبہ پر افسردگی طاری ہوگئی،مفتی صاحب نے کہا کہ بشمول سبیل الرشاد بنگلور کے دیگر منتخب مدارس کو بھی میں نے ہدایت دی ہے کہ وہ کل اتوار ۹ بجے سے دوپہر تک مولانا قاسم قریشی صاحب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کریں۔دعوت وتبلیغ کے لیے مولانا کی بے شمار خدمات ہیں ،اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول کرے،ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے،دعوت وتبلیغ کے حلقوں میں مولانا کی کمی شدت سے محسوس کی جائے گی،ان کی رحلت ناقابل تلافی ہے،اللہ تعالی مولانا کانعم البدل عطا کرے آمین

ڈاکٹر رحمٰن خان صاحب سابق مرکزی وزیر ورکن راجیہ سبھا کا تعزیتی پیغام

سابق مرکزی وزیر ورکن راجیہ سبھا ڈاکٹر کے رحمٰن خان صاحب نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ ریاست کرناٹک کے معروف مبلغ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر یقیناً ہم سب کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے ۔اللہ تعالی مرحوم کی بے لوث خدمات کو قبول کرتے ہوئے ان کی مغفرت فرمائے درجات بلند کرے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، ملت اسلامیہ کے لیے ان کا نعم البدل عطا کرے آمین

ایک اخبار کا تراشا

حضرت اقدس مولانا قاسم قریشی صاحبؒ ایک جید عالم دین عارف باللہ، مبلغ اسلام، داعی کبیر تھے موجودہ عالمی شہرت یافتہ منظّم دعوت وتبلیغ کے سرگرم قائد تھے اور ساری زندگی اسی محنت کے لیے وقف کردی تھی، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی بنائی گئی مجلس شوری کے بھی رکن رہے، گذشتہ پانچ سال سے طبیعت ناساز رہنے کے باوجود تبلیغی اجتماعات میں کلیدی خطابات دیتے اور دعا میں شریک رہتے تھے حالاں کہ ڈاکٹروں نے آپ کو طویل وقت تک بات کرنے سے گریز کا مشورہ دیا تھا۔

نہایت مختصر سی علالت کے بعد بروز ہفتہ ۲۳ / جولائی بعد نماز عصر اس دار فانی سے کوچ کرگئے اور معبود حقیقی سے سے جا ملے انا للہ وانا الیہ رجعون

سدھ بھاؤنا ویلفیر اسوسی ایشن کے تعزیتی اجلاس میں خطاب

بمقام زم زم شادی محل روبرو دارالعلوم سبیل الرشاد عربی کالج بنگلور

زیر صدارت: حضرت امیر شریعت مفتی اشرف علی صاحب باقوی فاضل دیوبند دامت برکاتھم

اس پروگرام میں میں تین تقریریں ہوئی۔

پہلی تقریر (کچھ یادیں کچھ باتیں)

حضرت مولانا ریاض صاحب دامت برکاتھم امام وخطیب مرکز سلطان شاہ ومہتم مرکز سلطان العلوم بنگلور

الحمد الله و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد

کلمات تشکر

میں حضرت امیر شریعت کا ممنون ومشکور ہوں کہ کل مرکز میں شہر کے مشورے میں ایک ساتھی نے مجھ سے کہا کہ حکیم الملت حضرت مولانا مفتی صاحب نے آج کے تعزیتی اجلاس زم زم شادی محل میں تجھ کو آنے کے لئے کہا، یہ بڑوں کی حضرت والا کی شفقتیں ہیں مجھے ''تجھ'' کے لفظ سے یاد کیا ہم چھوٹوں کو آگے بڑھانے کا ایک نرالا انداز ہے اللہ تعالی حضرت والا کا سایہ اور سارے اکابرین کا سایہ ہمارے سروں پرتا دیر قائم رکھے۔آمین

میں اس قابل نہیں کہ حضرت امیر شریعت کے سامنے کچھ بیان کروں حضرت

کے حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا ہوں

مشترکہ نعمت

حضرت مولانا یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ نے حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے انتقال پر ایک جملہ ارشاد فرمایا تھا، اسی جملے کو میں آپ کے سامنے دہرانا چاہتا ہوں جو حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ کے لئے بھی فٹ ہو رہا ہے جملہ یہ تھا: اللہ پاک کی کچھ نعمتیں پوری امت پر مشترک ہوتی ہیں پوری امت کا ان میں حصہ ہوتا ہے اور کچھ نعمتیں انفرادی ہوتی ہیں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ پوری امت کی مشترکہ نعمت تھی، ان کا اٹھالیا جانا ایک عظیم نعمت کا اٹھالیا جانا ہے اور حکمت اللہ کے پاس ہے۔

افراد اور شخصیتوں کا نعم البدل تو کیا بدل بھی بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے، ہم نے بچپن میں جب شعور کو سنبھالا تو چند علماء کا تذکرہ سننے کو ملتا تھا مولانا قاسم قریشی صاحبؒ، فاروق بھائی، بڑے حضرت ابو السعود صاحب رحمۃ اللہ، حکیم الملت حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتھم،، مولانا ذاکر حسین عبیدی صاحب رحمۃ اللہ، مولانا راغب حسین صاحب رحمۃ اللہ، وہ ہمارے اسکول کا زمانہ تھا۔

جب دارلعلوم شاہ ولی اللہ میں داخلہ ہو گیا تو اپنے والد محترم کے ساتھ مرکز کمبھار پیٹ جانا ہو تا تھا تو وہاں باضابطہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ کو دیکھنے کا، موقع ملا۔

مولانا رحمۃ اللہ کے ساتھ سفر

کرشنا گری کے جوڑ میں حضرت مولانا اکبر شریف صاحب دامت برکاتھم کے ساتھ،(اس وقت میں فارسی یا اول کا طالب علم تھا)، جناب حاجی انور صاحب کی میٹا ڈور سواری میں گئے تھے یہ مولانا کے ساتھ سفر کرنے کا پہلا موقع تھا،وہاں حضرت مولاناؒ کا پہلا بیان سنا، پھر ۱۹۹۰ میں بنگلور پیالس گراؤنڈ کا اجتماع ہوا تو شاہ ولی اللہ کی بڑی جماعت کے طلبہ کو کچھ ذمہ داریاں دی گئی، مجھے حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ کی خدمت کے لئے طے کیا تو اسوقت مولانا رحمۃ اللہ نے فرمایا تھا،آپ اس لائن میں مانوس ہیں اس لئے آپ کو حضرت کی خدمت کے لئے مناسب سمجھتے ہیں،اس کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ سے تعلقات بڑھتے ہی چلے گئے۔

مسجد کے امام کو مسجد کا ٹرسٹی سمجھو!

میری فراغت کے سال ۱۹۹۷ میں بنگلور شکاری پالیہ کا اجتماع ہوا تو اس وقت میرا سال پورا ہو رہا تھا اور میں طالب علمی کے دور میں دو مرتبہ مسجد سلطان شاہ میں رمضان المبارک میں تراویح کی خدمت انجام دیا تھا،قرآن پاک کی برکت سے سلطان شاہ کی کمیٹی کے پانچ افراد،حضرت مولانا قاسم قریشی صاحبؒ اور حاجی عبد الرزاق صاحبؒ کی خدمت میں پہونچی اور مجھے اپنی مسجد میں امامت کے لیے طے کرنے کی درخواست کی تو مولانا رحمۃ اللہ نے اس وقت کمیٹی والوں سے کہا کہ دیکھو! آپ لوگ اس مسجد کے پانچ ٹرسٹی ہیں اور یہ ہمارے مولانا تمہارے میں کے چھٹے ٹرسٹی ہیں،اوران کے سامنے میرا مقام بتا کران کو رخصت کر دیا اور مجھ سے

کہا کہ: مولوی صاحب! تم ان سے کوئی امید وابستہ نہ رکھنا، اپنے تعلقات اللہ سے رکھو، ان کے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں اور اور دے بھی نہیں سکتے۔(بڑوں کی باتوں میں ہمارے لئے دروس ہوتے ہیں)

مشورے کی پابندی

مولانا رحمہ اللہ مشورے کے بہت پابند تھے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کی جیتی جاگتی تصویر تھے، مولانا کے اجتماعات کے اسفار اور حج وعمرے کے اسفار مشورے والے طے کرتے تھے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا انتقال ہفتہ کو ہوا اس سے اس سے چار دن پہلے منگل کے مشورے میں، (الحمد للہ ۱۳/۱۲ شوال کو داخلے کی کاروائی مکمل ہوگئی تھی) مولانا سے عرض کیا کہ حضرت طلبہ کی بسم اللہ خوانی کرادیجئے اور ہر سال مولانا ہی بسم اللہ خوانی کراتے ہیں مولانا نے کہا: بہت سارے علما ہیں ان سے کرادو! میں باصرار کہا تو مولانا نے کہا کونسا وقت؟، میں نے کہا بدھ کے دن یعنی کل (مدارس میں عموما بدھ کے دن اسباق شروع کرواتے ہیں) مولانا نے کہا: میں ظہر میں آجاتا ہو ں، مولانا ٹھیک ظہر میں آگئے، اس دن سلطان شاہ میں جماعتیں نہیں تھی ،اور نمازوں کے بعد جماعتوں کا اعلان بھی میں ہی کرتا ہوں، ظہر کی جماعت میں صرف پانچ منٹ تھے، میں اگر مصلے کے پاس جاتا ہوں تو لوگ صفیں بنالیتے ہیں ،اس لئے میں مصلے کے پاس جانے کے بجائے مولانا رحمہ اللہ کے پاس چلا جاتا ہوں اور مولانا کو ساتھ لے کر مصلے کے پاس آتا ہوں، جب مولانا کے پاس گیا تو تو مولانا نے پوچھا، مولوی صاحب! مشورے کے ساتھی سے بسم اللہ خوانی کی اجازت

لئے؟ میں نے اجازت لے لی تھی، مولانا مشورے کے بہت پابند تھے۔

امت کے لیے قربان

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی عزیمت اور جہد مسلسل میں گذاری ہے، عید کے دن کیرالا کے احباب مشورے کے لیے آگئے میں نے مولانا سے کہا یہ لوگ عید سے پہلے آتے یا عید کے بعد آتے تو مولانا نے کہا کہ ہماری عید سے پہلے دن ان کی عید ہوتی ہے، بھلا وہ کیسے آپائیں گے، عید کا دن بھی مولانا نے امت کے لیے دے دیا تھا۔

امیر شریعت کی شکایت

امیر شریعت قبلہ دامت برکاتھم نے مجھے کئی بار ڈانٹا ہے کہ تم سبیل الرشاد کو مطلب سے آتے ہو اور طلبہ کی تشکیل کر کے چلے جاتے ہو پھر سال بھر خیریت دریافت کرنے نہیں آتے، اس کا ذکر مولانا سے کیا گیا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کی ناراضگی بجا ہے حق تو یہ ہے کہ ہم کو سال میں ایک دو مرتبہ تو ان کے پاس جانا چاہیے، کم از کم تم تو جاتے ہمارا نمائندہ بن کر، پھر فرمایا: دعوت پر سبیل الرشاد کا بڑے حضرت رحمہ اللہ کا اور حکیم الملت کا بہت بڑا احسان ہے، سبیل الرشاد بہت بڑی نعمت ہے اور مفتی صاحب بہت بڑی نعمت ہیں پورے ہندوستان میں کوئی ہستی ایسی نہیں ملے گی جو پچاس سال سے زیادہ بخاری پڑھا رہے ہوں، حضرت مفتی صاحب بڑے ہیں ہم گستاخ ہو گئے ہیں، مفتی صاحب کے پاس نہیں جاتے۔

مولانا رحمہ اللہ کے اخلاق

حضرت مولانا رحمہ اللہ کسی کی غیبت سننا پسند نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک صاحب کسی کی شکایت کرتے رہے جب وہ شکایات غیبت کے حدود کو پہونچنے لگی تو مولانا نے بات روک کر کہا ہمارے پاس نیکیاں ہیں ہی نہیں کہ انھیں دے دیں، دروازہ کھلا ہے آپ چلے جائیے۔

مولانا رحمہ اللہ کا دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف تھا ان کے دل میں کسی سے بھی متعلق ذرابرابر بھی کجی نہیں تھی۔

مولانا ہو بہو حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی جھلک لئے ہوئے تھے ایک مرتبہ مولانا یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک مولانا صاحب سختی سے تند لہجے میں بات کررہے تھے، مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ انھیں سمجھارہے تھے؛ مگر مولانا اپنی ناراضگی پر بضد تھے آخر اسی حالت میں چلے گئے تو مولانا کاندھلویؒ نے اپنی ذات پر لعنت وملامت کیکہ ہم انھیں کما حقہ سمجھا نہیں سکے قصور ہمارا ہی ہے، مولانا قاسم قریشی صاحبؒ بھی ایسے ہی پاک طینت مزاج کے حامل تھے۔

علماء کی خبر گیری

مولانا رحمہ اللہ علماء کے حالات دریافت فرماتے رہتے تھے کہ فلاں عالم آئے تھے ان سے بات ہوئی کیا؟ جب کسی کے تقرری کا مسئلہ ہوتا تو مجھ سے کہتے ساری کمیٹی کو بلالو اور مرکز سلطان شاہ میں طے کرکے انھیں سمجھا کر بھیجو اور کمیٹی والوں کو کہتے کہ بچے کی غلطیوں سے صرف نظر کرو۔

مولانا رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ مدارس کے جلسے میں شرکت کروں ؛ پھر فرماتے کہ اگر کسی مدرسے میں شرکت کرلیا تو پھر سال بھر مدارس والے پیچھے پڑ جائیں گے، اور ہمارا کام اور مشورے کی مصروفیت ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

راجھستان والوں نے بخاری کے جلسے میں مولانا رحمہ اللہ کو مدعو کرنا چاہا تو فرمایا کہ اگر ہم وہاں جائیں گے تو پھر دوسرے لوگ نہیں چھوڑیں گے پورا سال ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔

نمازوں کا اہتمام

مولانا رحمہ اللہ کی زندگی میں تکبیر اولی کا بہت اہتمام تھا، انتقال سے ایک دن پہلے جمعہ کے دن مولانا رحمہ اللہ نے کہا کہ آج عصر ساڑھے پانچ پر پڑھا دو (پوری زندگی میں ایسی بات کبھی نہیں کہی تھی)، میں ابھی وضو نہیں کیا ہوں ، میں نے کہا حضرت میں وضو کرا دیتا ہوں تو فرمایا آپ عالم ہوا مام صاحب ہو، میں آپ سے خدمت نہیں لے سکتا فخرو (حضرت کے خادم) کو بلا دو، ایک ساتھی نے کہا حضرت آرام فرمالیجئے چھ بجے نماز پڑھ لیجئے تو فرمایا جماعت کے وقت مسجد میں سوجاؤں مناسب نہیں ہے۔

میں سفروں میں دیکھا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی تہجد بھی قضا نہیں ہوتی تھی

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہ سحر گاہی

اولیاء اللہ کا تہجد کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہوتا ہے

نماز اول وقت پر پڑھنے کا اہتمام تھا، اور سنتوں کی ادائے گی میں بھی بہت اہتمام تھا، میں رمضان اور غیر رمضان میں دیکھا ہے کہ اوابین پابندی سے پڑھتے تھے۔

دعوتی اسفار

مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ میرا پہلا لمبا سفر الجیریا (الجزائر) کا ہوا فاروق بھائی نے مجھ سے کہا کہ آپ کو مولانا کے ساتھ جانا ہے، سفر کی تیاری کرلو! میں سمجھ رہا تھا الجیریا یہیں پاس کا کوئی علاقہ ہے؛ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو ہندوستان سے باہر ہے۔

مولانا رحمہ اللہ ایک عالمی شخصیت تھے، مولانا کے انتقال پر پچیس ممالک سے تعزیتی پیغامات واٹس اپ سے موصول ہوتے رہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے سوڈان میں ایک سال لگایا، سوڈان والے کہتے ہیں کہ ہمارے سوڈان میں دعوت کی محنت اٹھنے کا ذریعہ دو مولانا تھے ایک امیر شریعت دامت برکاتھم کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اور اور دوسرے مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ ہیں۔

اہل عرب کو عام فہم انداز سے سیدھی بات سمجھاتے تھے، اہل عرب مولانا کا بہت احترام کرتے تھے، مولانا کو دیکھ کر تعظیما کھڑے ہوجاتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ کی معیت میں قطر، کویت، لبنان، صومالیہ، اور پڑوس ملک جانا ہوا پڑوس ملک کے حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتھم (حضرت کا سایہ ہمارے سروں تادیر قائم رکھے) مولانا کے بیان کو بہت پسند فرماتے تھے، پہلے

اجتماع میں مولانا کا بیان ہوا تو حاجی عبدالوہاب صاحب نے دوسرے اجتماع میں بھی مولانا کا بیان طے کروادیا۔

دعوت کی سرگرمیوں کو سامنے رکھ کر کبھی عبادت سے جی نہیں چراتے تھے،اور پورے صفات مولانا کے اندر تھے (صفات کے ساتھ دعوت مؤثر ہوتی ہے بغیر صفات کے دعوت اپنے لئے حجت ہے)

مولانا نہایت بلند اخلاق کے مالک تھے بند مٹھی کی طرح تھے، ہمہ جہت کے حامل تھے،سب سے ممتاز تھے۔

مدرسے کی اہمیت

سمجھانے کا انداز بہت اچھا تھا،اگر کوئی طالب علم پڑھائی چھوڑ کر جماعت میں جانے کا خواہش مند ہوتا تو اسے روکتے تھےاور مدرسے کی تعلیم کی طرف رغبت دلاتے اور سو روپئے دے کر مدرسے کو بھیجتے تھے،مولانا رَحِمَہُ اللّٰہُ کی فہمائش سے سینکڑوں طلبہ حافظ اور عالم بن گئے۔

مولانا رَحِمَہُ اللّٰہُ کی نماز بہت عمدہ تھی ،اخلاق بہت بلند تھے،دعاؤں کا خاص اہتمام تھا۔

رات بھر سفر کے بعد مختصر سے آرام کے بعد تہجد کے لیے اٹھ جاتے اور تہجد میں اللہ کے سامنے گڑگڑاتے رہتے ،دوسرے ساتھیوں کو جگانے کی بات آتی تو فرماتے کہ آرام کرنے دو رات بھر سفر سے تھکے ہارے ہیں۔

ہمیشہ کا معمول ساڑھے تین بجے بیدار ہونے کا تھا،امت کے بارے میں اللہ سے مانگتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ مدارس، مکاتیب، اور دین کے دیگر شعبوں کی بھرپور تائید کرتے تھے مولانا ابراہیم دیولا صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں کہ جیسے نماز میں قیام ہے، قرأت ہے رکوع ہے سجدے ہیں ان میں تعارض نہیں ہے، سب کام ترتیب سے پورے کرنے ہیں، اسی طرح دین کے شعبے ہیں، اور یہ امت، امت وسط ہے اعتدال پسند امت ہے، ساری چیزوں کو لے کر چلنے کی امت ہے۔ مولانا قریشیؒ اس کے عملی مظہر تھے، دور سے مولانا رحمۃ اللہ دعوت والے نظر آتے تھے قریب میں آئیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت سب کے لیے تھے، صرف دعوت کے نہیں تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ دعوت کے کام میں بہت دور نکل گئے ہیں مگر اس کے باوجود دیگر کاموں میں بھی مولانا رحمۃ اللہ کی خدمات تھی، مولانا کے پاس مدارس۔ مساجد اور دیگر جھگڑے اور تنازع فیصلے کے لیے آتے تھے، اللہ نے مولانا سے کام لیا، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو دعوت کے لیے قربان کردیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی ساری اولاد کو عالم حافظ، مفتی بنایا، کسی کو دنیاوی تعلیم میں نہیں ڈالا۔

مولانا رحمۃ اللہ کی روح کو سکون پہونچانا ہے تو مولانا کے نقش قدم پر چلنا ہے اور دوسرے کو بھی چلانا ہے۔

ایک خواب

کل کے مشورے میں امیر شریعت دامت برکاتھم کی طرف سے یہ حکم پہنچا کہ آج کے تعزیتی اجلاس میں شرکت کرنا ہے تو مجھے پوری رات نیند نہیں آئی، تھوڑی

دیر آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ مولانا بیٹھے ہوئے ہیں میں تعزیتی خط لکھ رہا ہوں اور دوسرے ساتھی سے کہا اس کو دیکھ لو تو انہوں نے کہا کسی ایک نام سے کیوں تعزیتی کلمات لکھ رہے ہو سب کے نام سے لکھو! ؟ مولانا سفید لنگی، سفید کرتے میں تھے، میں نے پوچھا مولانا

آپ کہاں گئے تھے آپ تو یہاں نہیں ہیں (میرے ذہن میں تھا کہ آپ انتقال فرما چکے ہیں) مولانا نے کہا: میں تو نہیں گیا! مولوی صاحب! میں تو یہیں ہو ں، میں لشکر حلقے کو گیا تھا میں آرام سے ہوں، پھر مولانا اٹھے، اور بغیر سہارے کے عصا اور ویل چیر والی کرسی کے بغیر چلنے لگے۔

یہ خواب آج صبح دیکھا ہے

امت اکابروں سے محروم ہوتی جارہی ہے، اللہ تعالی ان کی عظمت وقدر کی توفیق عطا فرمائے استفادے کی توفیق عطا فرمائے ہمیں چار چار مہینے کے لیے قبول فرمائے اکابرین کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے آمین

یہ کمال ضبطِ غم ہے کہ سلیقہ محبت
مرا دل تو رو رہا ہے مگر آنکھ تر نہیں ہے

دوسری تقریر

داعی کبیر کی قابل رشک زندگی

حضرت مولانا ایوب صاحب رحمانی دامت برکاتھم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

صدق اللہ العظیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں صلوۃ وسلام ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

قابل صد اکرام صدر اجلاس حکیم الملت حضرت امیر شریعت دامت برکاتھم، تخت نشین اکابر علمائے کرام!

سد بھاؤنا ویلفر اسوسی ایشن کے ذمہ داران

بزرگان محترم، برادران عزیز اور ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ نوجوانان قوم!

موت اللہ سے ملاقات کے لیے پل ہے

موت فنا ہونے والی جگہ سے نکل کر ابدی مقام میں داخل ہونے کے لیے ذریعہ ہے۔، موت اللہ سے ملاقات کا سبب ہے، موت ابدی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے، موت سے مومن گھبراتا نہیں مومن موت کا استقبال کرتا ہے،

اچھی موت،

اچھائیوں پر قائم ہوتے ہوئے موت،
اللہ کو راضی کرتے ہوئے موت،
نبی کی سنتوں پر عمل کرتے ہوئے موت،
گویا وہ مومن کی معراج ہے،

ایسی موت سے ،ایسی موت کو دیکھ کر ہمیں رشک کرنا چاہیے، واقعی اگر اللہ ہمیں زندگی دیں تو ایسے ہی زندگی خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جینے والوں کی تین حیثیتیں

کچھ لوگ صرف اپنی ذات کے لیے جیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کو اپنے آل واولاد سے تعلق نہیں ہوتا، اہل وعیال کی بھی فکر نہیں ہوتی جب وہ مرتا ہے خود اس کا گھرانہ اس کے لیے افسوس کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، کیوں؟ اس کی زندگی کا دائرہ بڑا مختصر تھا، صرف وہ اپنی ذات کے لیے جیا، اپنے نفس کے لیے جیا، اپنی خواہش کے لیے جیا اور اپنی من مانی کے لیے جیا، جب وہ مرا خود اس کا گھر اس کے لیے افسوس کرنے کے لیے تیار نہیں۔

کچھ لوگ جیتے ہیں اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل وعیال کے لیے جیتے ہیں ،مقصد ہی ان کا یہ ہے کمانا کہ اچھا کھانا کھائیں، اچھا پہنیں اور پہنائیں، گھر بار اچھا ہو، بس اتنا ہی مقصد ہے، فرائض چھوٹے ، ،سنت ٹوٹے امت ٹوٹے، کوئی فکر نہیں ہے، میں اور میرا گھر مضبوط ہو، کافی ہے، وہ اپنے گھر کے ؛ لیے جیا، وہ مرتا ہے وہ جدا ہوتا ہے، وہ دنیا سے نکلتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کا گھر اس کا غم کرتا ہے اس کا احساس اس کے اہل خانہ کو ہوگا، اس کے بیوی بچوں کو ہوگا۔

لیکن کچھ پاک نفوس زمیں پر ایسے جیتے ہیں، جن کے جینے ہی کی خاطر اللہ اس بزم کو سجا کر رکھتے ہیں، ورنہ کبھی اس بزم کو تہس نہس کر دیتا، وہ خود کے لیے بھی نہیں ،صرف ان کی اولاد کے لیے نہیں ؛پوری انسانیت کی ترقی کی فکر لے کر جیتے ہیں ،بندوں کے ٹوٹے ہوئے تعلق کو اللہ سے ملانے کے لیے ان کا فکر ہوتا ہے،ان کا دن گذرتا ہے ،ان کی راتیں گذرتی ہیں ،جب وہ دنیا سے اٹھتے ہیں تو ساری انسانیت روتی ہے وہ منظر ہم نے داعی کبیر حضرت رحمہ اللہ (مولانا قاسم قریشی صاحب) کے جنازے میں دیکھا ہے،تل دھرنے کے لیے جگہ نہیں تھی ،ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے کاندھوں پر جنازہ ہوتا ہے اور لوگ لے کر چلتے ہیں ،لیکن یہاں دیکھنے میں آیا، میرے دوستو!

لوگوں کو چلنے کے لیے جگہ نہیں ہے صرف جنازہ کاندھے بدلتے ہوئے جارہا ہے، جنازہ کندھے بدلتے ہوئے جارہا ہے، جب انسان اپنے جینے کا وسیع مقصد پہچان لیتا ہے اس کا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے، جیتا ہے تب بھی پوری قوم پوری امت اس کی گرویدہ ہوتی ہے،اور اگر وہ دنیا سے جاتا ہے تو وہ مرتا ہے تب بھی ساری امت ،ساری قوم اس کے غم اور اس کی جدائی کا رنج لے کر اپنے اندر کی تاب وطاقت کو ختم کر کے بے چین ہو جاتی ہے، وہ جینا ہے داعی کبیر حضرت مولانا قریشی صاحبؒ کا ہم نے دیکھا ہے۔

مولانا کی بے نفسی

گڑیا تم میں ایک اجتماع طے ہوا آج سے چودہ پندرہ سال پہلے ،اتفاق سے اہل شوری نے ہمارے مدرسے میں اس اجتماع کو طے کر دیا دارالعلوم سعیدیہ کے

اندر، ہم کو بھی بڑی خوشی ہوئی مدرسے کے تمام اساتذہ اور طلبہ تیاری میں منہمک تھے ، ہمارے علاقے کے امیر الحاج آلتور عبد الحمید صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ: کیا ایوب؟ انگلینڈ کا اجتماع کا منظر ہم کو دکھا دیا، پہلی مرتبہ ہمارے علاقے میں بیت الخلاء کے لے چینی کا بیسن استعمال کیا گیا، وہ ہمارے مدرسے میں کیا گیا، تقریبا ایک لاکھ کا مجمع تھا، ہم نے بنگلور سے اکابرین کو دعوت دی، حضرت امیر شریعت دامت برکاتھم سفر میں تھے ، حضرت قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کے پاس گئے اور حضرت کو دعوت دیا حضرت نے قبول کیا شوری کے مشورے کے بعد تشریف لائے ، اس طرح گودھرا سے علماء آئے اور دور دور کے علاقوں سے جماعتیں آئی تھی اس میں بھی بڑے بڑے علماء تھے، مولانا اسماعیل صاحب وغیرہ وغیرہ ہم نے مہمانوں کی سہولت کے لیے اور ملنے والوں کی سہولت کو مدنظر رکھ کر جن کمروں میں ہم نے اکابر کو ٹہرایا تھا ان کے کمروں پر ان کے نام کا بورڈ تیار کر کے لگا دیا یہاں فلاں رہیں گے ، یہان فلاں رہیں گے تا کہ لوگوں کو ملنے آسانی ہو، لوگ آتے ہیں دروازے ٹھوکتے ہیں کوئی آرام میں ہیں، کوئی عبادت میں ہیں، کوئی معمولات میں ہیں، تکلیف ہوتی ہے اس کے لیے ایک اچھا نظم ہو اس لیے ہم نے ہم نے دس نام کا پرچہ تیار کیا بہت خوبصورت اور فاصلے فاصلے پر لگا دیا سب خوش ہوئے اور ہمیں سراہا ، جب مولانا قاسم قریشی صاحب تشریف لائے ہم لوگ استقبال کئے اور لے کر گئے ، جس کمرے میں حضرت کو رکھنا تھا وہاں لے گئے میں بھی تھا بحیثیت ذمہ دار ہونے کہ، جس کمرے میں حضرت کا نام لکھا ہوا تھا، آج بھی وہ منظر مجھے یاد ہے پتھر کی لکیر کی طرح یاد ہے، میرے دوستو! نقش کا لحجر کی طرح آج بھی وہ بات

میرے دل میں بیٹھی ہوئی ہے، حضرت نے یوں دیکھا اور فٹ سے نام نکال لیا، میں نے کہا: حضرت لوگوں کی سہولیت کے لیے نام لکھا ہوا ہے، حضرت کا جواب سنو! اذکروا محاسن موتاکم، جانے والے کی خوبیوں کو جانے والے کے کمالات حاصل کرو ، وہی ورثہ ہے، وہی انہوں نے چھورا ہے ہم کو، محبت میں چار آنسو بہا دیں یا دو چار الفاظ بیان میں کہہ دیں بس، ہمارے لیے مشعل راہ کیا ہے؟ کیا بے نفسی ہے اتنے بڑے عالم کے اندر، اس عالم دین کے اندر عالم کبیر داعی کبیر کے اندر، اپنے مرکز کے بزرگوں کو آپ جب سے منظر عام پر الحمدللہ تشریف لائے، مرکز کے بزرگوں کو کام کم ہوا علاقے کے اندر، پورے ساؤتھ کو سنبھالا، کرناٹک میں، آندھرا میں، تامل ناڈو میں، کیرالہ میں، خوش ہوتے تھے لوگ، کہتے کہ حضرت نے مان لیا منظوری مل گئی طے ہوگیا تو لوگ بہت خوش ہوتے۔

حضرت تشریف لائے اور فورا وہ نام کا کاغذ ہاتھ میں لے لیا، میں نے کہا حضرت! لوگوں کی سہولت کے لیے رکھا ہے حضرت کا جواب تھا قاسم اس قابل نہیں کہ اس کے دروازے پر اس کا نام لکھ دیں سب سے بڑا ایک وصف حضرت کے اندر جو ہم نے دیکھا وہ بیلنس balance ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی سے کہ موجودہ علماء میں وہ وصف آئے جس کا والہانہ تعلق دعوت سے لگا ہوا ہے وہ اس بیالنس کو برقرار رکھے (آمین)

مولانا رحمۃ اللہ کا بیالنس

جیسا کہ مولانا نے فرمایا اپنی تقریر کے اندر حضرت علما کی قدر کرتے تھے اور کبھی کسی کی غیبت کو سننا پسند نہیں کرتے تھے ورنہ ایک مزاج اور عادت ہوگئی ہے کچھ

وقت نکل گیا، کچھ بولنے کی عادت ہوگئی تو بعض لوگ سمجھتے ہیں ہم عالموں سے بہت افضل ہوگئے ہم جو کررہے ہیں یہی دین ہے باقی دین نہیں ہے،ایک عجیب کمی ہے حضرتؒ نے بیالنس کو برقرار رکھا علما کے ساتھ،ان کا ادب،ان کا اکرام،امت کیسے ان کے ساتھ سلوک کرے،اس بیالنس کو برقرار رکھا،ہماری دعا ہے وہ بیلنس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برقرار رہے۔

ایک مرتبہ پینتالیس آدمیوں کی جماعت شہر پرنامبٹ وگڑیاتم سے نکل کر بنگلور آئی،فریزر ٹاؤن میں قیام تھا ہمارے علاقے کے بہت سے خواص بھی تشریف لائے تھے دو آدمی طے ہوئے کہ سلطان شاہ جاکر مولانا سے ملاقات کرکے دعا کی در خواست کرے اور وقت لیں کہ ہمارے ساتھی ملنا چاہتے ہیں تو حضرت سے کہا کہ پینتالیس آدمی ہیں خواص بھی ہیں،فلاں فلاں ہیں بہت خوشی ہوئی کوئی بھی آئے اللہ کے راستے میں آئے،کبھی کوئی بڑا آگیا اس کی طرف ایک خاص توجہ،کوئی عام آدمی آگیا تو اس کی طرف زیادہ توجہ نہ دیں یہ مزاج حضرت کے اندر میں نے کبھی نہیں دیکھا،حضرت سے کہا گیا فلاں آئے ہیں فلاں آئے ہیں،حضرت نے کہا کوئی بھی آئے اللہ کا راستہ میں ہے،ہمارے احباب نے کہا سب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

ہم سے ملنے مولانا خود آگئے

ہمارے علاقے میں حضرت کی تقریریں دو دو گھنٹے ہوتے،سب متاثر تھے فرمایا کہ ہم حضرت سے ملنے کے لیے آئیں گے سلطان شاہ کو ؛حضرت کا جواب سنو! سادگی دیکھو دوستو! اللہ سے محبت اور فنائیت کا جذبہ دیکھیں !فرمایا کیا پینتالیس آدمی میرے سے ملنے کے لیے آئیں گے؟ فرمایا جی ہاں! پینتالیس کو تکلیف نہیں

دی جائے گی پینتالیس کو ملنے کے لیے ایکقاسم آجائے گا، گیارہ بجے ہم آجائیں گے حضرت باقاعدہ گیارہ بجے فریز رٹاؤن تشریف لائے سوا ڈیڑھ گھنٹہ رہے اور جو کچھ بولنا تھا بولا، یہ بے نفسی ہم نے حضرت کے اندر دیکھا واقعی انسان اپنے عمل اور ارادوں کے ذریعے بلند ہوتا ہے

میرے بھائیو! اللہ نے بڑے بہترین انداز میں فرمایا: **الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا** یہ نہیں کہا کہ اکثر عملا دیکھیں کس کا عمل کتنا زیادہ ہے کس کا عمل کتنا بڑا ہے نہیں! احسن عملا کہا ہے چاہے وہ عمل کم ہی صحیح اس کے اندر حسن ہے خوبصورتی ہے، خلوص ہے، للّٰہیت ہے واقعی عمل وہی اصل ہے۔

انسانی نعش کے حصے

حضرت جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان جب مرتا ہے چار حصوں میں بٹ جاتا ہے، منتشر ہو جاتا ہے، بکھیر دیا جاتا ہے حضرت انسان، جب مرتا ہے پہلے روح نکلتی ہے اس کو جہاں پہونچنا ہے پہونچ جاتی ہے ایک حصہ نکل گیا، پھر جسم ہے گوشت ہے جو کیڑے مکوڑے کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں ہڈیاں مٹی میں مل جاتی ہیں، مٹی بن جاتی ہیں، جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا جس انسان کے دل میں خلق خدا کی فکر ہوتی ہے اللہ تعالی اس کی ہڈی میں ایک بیج کے برابر کی مقدار میں اس کو باقی رکھتے ہیں تفصیل لمبی ہو جائے گی، میں اس میں جانا نہیں چاہتا طوتھی چیز اس کا عمل ہے جو آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے: اگر اس کے اندر حسن ہے کمال ہے خلوص ہے للّٰہیت ہے گرتی ہوئی انسانیت کو تھامتا ہے تمام انسانی قدروں کو وہ بحال کرنے والا ہے بندوں کے ٹوٹے ہوئے تعلق کو خالق

سے جوڑنے والا ہے، جو احسن عمل ہے پھر وہ عمل کے نتیجے میں وہ عمل روح سے ربط پیدا کرتا ہے حضرت جلال الدین سیوطیؒ بڑی تفصیل سے لکھا ہے پھر وہ عمل روح سے تعلق پیدا کرتا ہے، جب روح سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے اگر وہ نیک ہے اس کی وجہ سے اللہ واپس قبر کے اندر اللہ اس کے جسم کو بھی محفوظ رکھتے ہیں اور جنت کی کھڑکیاں اس کے لئے کھول دی جاتی ہیں جنت کی ہوائیں اس کی قبر میں چلنا شروع ہوتی ہیں پھر وہ صبح قیامت ایسا سوتا ہے۔

پہلی رات کی دلہن کی طرح سوجا جیسا پہلی رات کی دلہن ہوتی ہے ہمارے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہا جائے گا ایسا سوجا جیسی پہلی رات کی دلہن سوتی ہے حضرت نے مجلس میں مسکراتے ہوئے فرمایا کہ پہلی رات کی دلہن سوتی ہے؟ خراٹے مار کر، لمبی نیند سوتی ہے؟ حضرت نے سمجھایا جب اسے سجا کر گھر والے کمرے میں چھوڑ آتے ہیں پھر بڑے لوگ شوہر کو کچھ نصیحتیں کرتے ہیں وہ بھی اللہ کے خوف سے اپنی زندگی کی کروٹ، خوبصورت بنے ، مطمئن بنے میری زندگی مزے دار بنے! یہ سوچ کر وہ دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے اس انتظار میں وہ دن بھر کی تھکی وہ دلہن جب وہ اپنے پلنگ میں بیٹھتی ہے یا اس کو لٹایا جاتا ہے جو شوہر کی زندگی کی جو امید اس کے سامنے آنے والی ہے اس کے انتظار میں وہ اپنا سر تکیہ میں رکھا دو چار منٹ کے لیے اسے جو آنکھ لگی وہ دو رکعت نماز پڑھ کر آیا اس کو السلام علیکم کہتا ہے وہ بے چین ہو کر اٹھتی ہے بڑی فرحت ہوتی ہے اپنے زندگی کے شریک کو جب وہ دیکھتی ہے یہ دو چار منٹ کا ہلکا سا جھونکا اسے آیا حکیم الاسلام رحمۃ اللہ نے فرامایا دیندار آدمی کو مومن کو اس کی قبر میں لے کر

قیامت کے وقت مومن کو داعی کو سچے کو عالم کو عاشق کو قیامت تک کا وقفہ ایسا لگے گا جیسا کہ نئی دلہن کا دو منٹ کی نیند کا جھونکا اتنا ہی نہیں میرے دوستو! مومن کے لیے جب اس کی روح نکالنے کا وقت آتا ہیں ملک الموت آکر اسے کہتے ہیں السلام علیکم وہ کہتے ہیں چل اس گھر کی طرف جو دنیا میں تو آباد کرر کھا ہے اس کی حقیقی نعمتوں کا مزہ لوٹنے کے لئے چل! اگر کوئی آدمی دنیا ہی کے لیے مرتا ہے دنیا ہی میں پھسا پڑا ہے، جب اس کے پاس فرشتہ آتا ہے تو اس کو سلام نہیں کرتا اور کہتا ہے چل اس گھر کی طرف جس کو تو دنیا میں ویران کرر کھا ہے اس گھر کی ویرانی دیکھنے کے لیے چل! تیری زندگی تو دنیا کی آبادی کے لیے لگی تھی۔

دوستو! یہ دنیا کی زندگی کے آبادی کے لیے ہماری یہ زندگیاں لگی ہیں؛ لیکن مولانا نے سا پنی پوری زندگی گھر بار کی تربیت کیا، کثیر العیال اور پورے اولاد کو عالم بنایا اور سب کو دعوتِ دین سے تعلق ہے اور سا پنے چھوٹوں کو سراہنا خاموش لفظوں اصلاح کرنا میں نے حضرت کی زندگی میں دیکھا۔

تم غلاموں کے ملک میں نبیوں کا کام کرو!

ایک جگہ ہماری بات ہوئی حضرت سے پہلے سے بیان میں تھے اس کا اندازہ مجھ کو نہیں تھا اس کے بعد بلایا کہ مولانا آپ نے حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کا واقعہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کیا ہم کو خوشی ہوئی سن کر! میں نے کہا حضرت میں شرمندہ ہو گیا مجھے اندازہ نہیں تھا آپ یہاں ہیں بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کمرے میں آرام کرر ہے تھے خدام خدمت میں تھے اور وہ مدرسے کے طلبہ تھے کاشف العلوم ہی کے

طلبہ تھے بڑی عمر کے طلبہ تھے یا فارغین تھے خدمت کررہے تھے یکا یک ایک ڈاکٹر صاحب تشریف لائے اور کہا السلام علیکم ،اس سے اندازہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا حضرت سے گہرا تعلق ہے، حضرت نے کہا ڈاکٹر صاحب ایسے غائب ہوگئے آپ نظر نہیں آئے؟ یہ واقعہ ہم بیان کررہے تھے، عمر صاحب پالن پوریؒ نے کہا ڈاکٹر صاحب نے کہا حضرت مشغول تھا بچے کو بھیجنے کے لیے، حضرت نے پوچھا: کیا وہ چلا گیا؟ جی چلا گیا کہاں گیا؟ سعودی عرب! اور آپ کی دعا سے کام بھی بہت اچھا ملا ہے پوچھا کیا کام ملا ہے؟ فرمایا کہ پرنس گھرانے کی ڈرائیونگ ملی ہے ،اور ابتدائی تنخواہ ہندوستانی ایک لاکھ روپے ہے، حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے اور جو لوگ خدمت کررہے تھے جوان علما، کہا کیا بھائی، کیا خیال ہے ،کیا آپ کے منہ میں پانی آرہا ہے، کہ آپ کا ایک ساتھی ایک لاکھ روپے کی تنخواہ لے رہا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ وہ ان کا ساتھی ہے، پھر اس کے بعد ایک جملہ، حضرت سن رہے تھے کمرے میں مجھے پتہ نہیں، اس کے بعد حضرت نے ان علما کو ان جوانوں کو دیکھ کر کہا، بھائی آپ کے منہ میں پانی آرہا ہے؟ آپ کا ساتھی ایک لاکھ روپے کی تنخواہ لے رہا ہے ،پرنس گھرانے کی ڈرائیونگ کررہا ہے سعودی عرب میں! اب وہ ادب کے ساتھ خاموش تھے، حضرت نے جواب دیا، بڑوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں دل سے نکلتی ہیں دل تک پہونچ جاتی ہیں، حضرت نے فرمایا ارے خدا کا شکر ادا کرو! نبیوں کے ملک میں غلاموں کا کام کرنے گیا ہے اور تم غلاموں کے ملک میں نبیوں کا کام کرو، آب دیدہ ہوگئے علماء۔ پروگرام کے بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو فرمایا بہت بہترین انداز سے آپ نے بیان فرمایا، ہم بھی کئی بار سنے ہیں لیکن ہم کو بڑی فرحت ہوئی

اللہ آپ سے یہ کام لے رہا ہے، میں نے کہا حضرت آپ کیسی بات بول رہے ہیں؟

بہرحال یہ امن پسندی ، یہ محبت اقداروں کو بحال کرنا ، امت کے جوڑ کی فکر کرنا ، بندوں کے تعلق کو خدا سے جوڑ کر کے بتلانا ، یہ درد؛ علم نبی کا جو وارث ہوتا ہے فکر نبی کا بھی وارث ہوتا ہے، جس کے اندر فکر نبی نہیں وہ ان بہاروں کو دیکھ نہیں سکتا جیسے جیسے علم بڑا اللہ کی معرفت بڑھی اور اللہ کی معرفت جب بڑھ رہی ہے ہم کو کام جم کر کرنا ہے کوئی بھی دین کا کام کر رہے ہیں جم کر کرنا ہے، اللہ ہی کے لیے، اللہ کی رضا کے لیے کام کرنا ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کے صفات ہم اپنے اندر پیدا کریں

مولانا رحمہ اللہ کی زندگی سے ہم کو یہ سبق حاصل کرنا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالی جو اوصاف جمیلہ اور اوصاف حمیدہ تو نے اپنے فضل سے مولانا کے اندر پیدا کیا تھا اے اللہ اب تیری مرضی کے مطابق وہ آپ کے حوالے ہو گئے پروردگار ان صفات کو ان اخلاق کو ہمارے اندر پیدا فرما ان کے توازن کو ہمارے اندر پیدا فرما، اے اللہ دنیا سے ایسے اٹھے نہ فقط یہ انسانیت روئے بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی جب زمین پر سے اٹھتا ہے ہر آدمی ، ہر مومن کے لیے دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل صالح جاتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا رزق آتا ہے ، دونوں دروازے روتے ہیں کہ اے اللہ اب عمل صالح کیسے آئے گا اور دوسرا دروازہ روتا ہے اے اللہ وہ روزی اب کیسے اترے گی ؟ حدیث میں آتا ہے زمین کے وہ حصے روتے ہیں جہاں پر وہ سجدہ کرتا تھا ، جہاں پر وہ عبادت کرتا تھا ، جہاں پر وہ بیان کرتا تھا ، جہاں پر وہ درس حدیث اور درس قرآن

دے رہا تھا، زمین کے وہ ٹکڑے روتے ہیں، اور اس وقت تک روتا ہے جب میدان محشر میں وہ بندہ پیش ہوتا ہے اور اللہ کے سامنے حاضر ہو کر سجدوں کی گواہی تدریس کی گواہی، گرتی ہوئی انسانیت کو تھامنے کے لیے جو خدمت کیا ان کی گواہی زمین کا وہ ٹکڑا دیتا ہے، اللہ تعالی اس زمین کی گواہی کو قبول کرتے ہیں، اللہ ہم کو بھی ایسی گواہی عطا فرمائے جب ہم اٹھیں اس زمین پر بسنے والے چوپائے ہمارا غم کریں، زمین ہماری جدائی کا غم محسوس کریں، آسمان ہماری جدائی کا غم محسوس کریں، بقیہ زندگی کو ایسی زندگی عطا فرما۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

داغ فراق، صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

تیسری تقریر (خطبۂ صدارت)

دعوت و تبلیغ میں مولانا کی تیز رفتاری

حضرت حکیم الملت امیر شریعت مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتھم
شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور کرناٹک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد لله رب العالمين ،والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبين وعلى اله واصحابه اجمعين الطيبين الطاهرين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

امابعد: فاعوذبالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه اُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (التوبة: ۷۱)

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌ بَصِيْرٌ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (فاطر: ۳۲)

صدق اللہ العظیم

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سرکار دو عالم ﷺ کے دربار عالی میں ہدیۂ درود وسلام

جلسے کا مقصد

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کی یاد میں، ان کے ذکر خیر میں ،ان کی خوبیوں کو بیان کرنے کے سلسلے میں، ان کی خدمات ،ان کی جد جہد، ان کی مساعی اوران کی کوششوں کو یادرکھنے کے سلسلے میں یہ مجلس منعقد کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: گذرے ہوئے لوگوں کی خوبیوں کا تذکرہ کرو، ان کا ذکرکرو، ان کو یادکرو، **اذکروا محاسن موتاکم** اوراس سے پہلے اس فریضے کو بہت بہترین انداز میں مولانا قاسمی نے بھی بیان فرمایا انجام دیا، اور مولانا رحمانی نے بھی پر جوش انداز میں بیان فرمایا۔

حضرت مرحوم کی جوخوبیاں ہیں، جوکمالات تھے جو اوصاف عالیہ تھے، ان کی جوتواضع تھی، ان کا جوانکسار تھا، دوسروں کی قدردانی تھی، اس کو بڑے بہترین انداز میں مولانا رحمانی نے بھی بیان فرمایا، میں بہت ہی چھوٹا اور کھوٹا ہوں اور گوشۂ عافیت میں پڑا رہتا ہوں جناب حبیب صاحب (ڈائریکٹر زم زم شادی محل) جانتے ہیں کہ اتنے قریب ہونے کے باوجود ان سے بھی ہماری ملاقات نہیں ہو پاتی، اس طرح گوشۂ عافیت میں، گمنامی میں ہم لوگ رہتے ہیں؛ لیکن

بزرگان محترم!

حضرت مولانا قریشی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ

کے سلسلے میں وقف فرمادی اور پوری زندگی اسی کام کے لیے انہوں نے طے فرمادی، شروع سے اخیر تک مسلسل دعوت وتبلیغ کی محنت میں لگے رہے۔

سبیل کی بنیاد میں الیاسی طرز تبلیغ

بزرگان محترم!

مولانا قاسمی نے بھی فرمایا کہ دارالعلوم سبیل الرشاد میں دعوت وتبلیغ بھی ہے بلکہ اس کی بنیادوں میں ہے، میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ مطلق دعوت وتبلیغ نہیں ہے ؛ بلکہ بڑے حضرتؒ (امیر شریعت اول علامہ ابوالسعود صاحب رحمہ اللہ) نے دارلعلوم سبیل الرشاد کا جو دستور مرتب فرمایا اس میں یہ نہیں فرمایا کہ بہت سے مدرسوں میں یہ جملے میں نے بھی دیکھے ہیں کہ دعوت کا شوق پیدا کیا جائے گا، تبلیغ کا شوق پیدا کیا جائے گا بہت سے مدرسوں کے اغراض ومقاصد میں ایسا ہوتا ہے۔

بڑے حضرت رحمہ اللہ نے جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں آپ کے علم میں ہے کہ نہیں ہے؟: دارلعلوم سبیل الرشاد کا کے اغراض ومقاصد کا پہلا جز ہے: علوم عربیہ دینیہ کی تعلیم۔ دوسرے نمبر پر ہے بقدر ضرورت فارسی اور اردو کی تعلیم۔ تیسرے نمبر پر ہے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے طرزِ تبلیغ پر طلبہ کی تربیت۔

صرف دعوت وتبلیغ نہیں اس کی اور بھی شکلیں ہیں، کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، کئی طریقے ہوسکتے ہیں، ہم کسی کو غلط نہیں کہتے ؛ لیکن بڑے حضرتؒ نے صراحۃ ذکر فرمایا کہ یہاں حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے طرز تبلیغ پر طلبہ کی تربیت ہے، اور دعوت وتبلیغ کی یہ محنت طلبہ کے لیے اجنبی نہیں رہے گی اور ابتداء سے جانتے بوجھتے، دیکھتے بھالتے، اور ان جیسے عمل کرتے ہوئے یہاں طالب علمی کا زمانہ گذارے ؛ چنانچہ ہر

ہفتہ طلبہ کی جماعتیں روزِ اول سے دعوت وتبلیغ کی اسی محنت کے سلسلے میں، مدرسے سے نکلتی ہیں، مختلف محلوں میں جاتی ہیں اور جمعہ کی صبح کو واپس آتی ہیں اور یہ بچے ابتدا سے اس کام سے لگے ہوئے، جڑے ہوئے، اس سے دلچسپی رکھتے ہوئے، اس کو جانتے بوجھتے ہوئے، اس سے محبت رکھتے ہوئے یہاں پڑھتے ہیں، پروان چڑھتے ہیں، عالم بھی بنتے ہیں، مبلغ بھی بنتے ہیں اور یہ ذوق خصوصیت سے ان کے اندر پیدا کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ نے اس کام میں حصہ لیا، اور لیا تو اس طرح لیا کہ سب سے آگے اور آگے اور آگے بڑھتے چلے گئے، ہم لوگوں نے بھی ابتدا میں کچھ ساتھ دینے کی کوشش کی؛ لیکن ان کی جو رفتار تھی، وہ رفتار بہت تیز تھی، بہت ہی زیادہ تیز تھی، آگے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔

لوگوں کی تین حیثیتیں

لوگ الگ الگ حیثیتوں کے ساتھ حصہ لیتے ہیں، کام کرتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: جو کتاب ہم نے آپ کے پاس بذریعۂ وحی بھیجی ہے، پیغمبر! یہی حق ہے، اور یہ پچھلی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے، اللہ اپنے بندوں کے بارے میں پوری طرح خبر بھی رکھتا ہے دیکھتا بھی ہے، خبیر وبصیر بھی ہے، یہ کتاب آپ کو ہم نے دی، آپ پر قرآن مجید کو اتارا، قرآن مجید نازل کیا اور پھر ہم نے یہی کتاب بطور وراثت اپنے ان چند مخصوص بندوں کو دی، جن کو ہم نے پسند کیا، اور جن کو ہم نے منتخب کیا اور جن کو ہم نے نکالا، ایسے چند بندوں کے حوالے ہوئی یہ کتاب بطور وراثت یعنی مسلمان۔

ثم اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا

یہ کتاب پیغمبر کو ملی (ﷺ) اور پیغمبر کے واسطے سے وراثت میں ،ترکے میں رسول اللہ کے،ہم جاننے والوں کو ،ماننے والوں کو ،چاہنے والون کو ، ہم امتیوں کو،اللہ نے فرمایا ہم نے یہ کتاب ان کے حوالے کی؛لیکن اللہ تبارک وتعالی نے آگے ارشاد فرمایا ہے کچھ لوگوں کو ہم نے بطور وراثت یہ کتاب عطا فرمائی ان میں سے الگ الگ درجے کے لوگ ہو گئے، کچھ لوگ تو ایسے ہو گئے؛ جن کو اس کتاب کے بارے میں کوئی فکر نہیں،کوئی توجہ نہیں،کوئی خیال نہیں،اس کی کوئی قدر نہیں،اس میں کیا فرمایا گیا ہےاور کیا حکم دیا گیا ہےاس کے ساتھ ہمارا تعلق کیسا ہونا چاہئے۔

پہلی حیثیت

فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ

اللہ نے فرمایا: کچھ لوگ ایسے ہو گئے جو اپنے اوپر خود ظلم کرنے والے ہو گئے ،اپنا نقصان کرنے والے ہو گئے ،اس کتاب سے اور کتاب کی تعلیمات سے بالکل دور ہو گئے ،کوئی تعلق قائم نہیں کیا،کبھی اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے ،اسے پڑھتے بھی نہیں ،اس کی تلاوت کرتے بھی نہیں ،اس کے معانی اور مطالب کو سمجھتے بھی نہیں ،اس کے لیے کیا حکم دیا گیا اس کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ، کچھ ایسے لوگ بھی ہو گئے ؛حالاں کہ ہم نے جو کتاب ان کو وراثت میں دی تھی ،ضروری تھا کہ اس کی قدر کرتے ،غور کرتے ،توجہ کرتے ،دلچسپی پیدا کرتے ،تلاوتمیں لطف حاصل کرتے ،اپنی روحانی کیفیات میں اضافہ کرتے ،لیکن نہیں۔

مِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ

اللہ نے پہلے اس کو بیان فرمایا اس کے بعد

دوسری حیثیت

وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِد

دوسرے درجے میں ایسے لوگ ہوئے جو درمیانی درمیانی ،کبھی ایسا کبھی ایسا ،کبھی خیال آیا تو نکل گئے جماعت میں ،نہیں آیا تو برسوں تک نہیں آیا ، کام میں بھی نہیں گئے ،اجتماع میں بھی نہیں گئے ،کسی موقع سے بھی دینی کام میں حصہ نہیں لیا کبھی کرلیا کبھی چھوڑ دیا وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِد درمیانی درجے کے کچھ لوگ ہیں ۔لیکن اللہ نے فرمایا

تیسری حیثیت

وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ کچھ لوگ ایسے ہوئے نیکیوں کے راستے میں ،میدان میں ،آگے ،آگے ،اور آگے بڑھتے چلے گئے ،اللہ کی اجازت سے ،اللہ کے حکم سے ،اللہ کی مرضی سے یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا ان پر ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡر

حضرت مولانا جب لگے تو جماعت کے کام میں ،تو ان کے ساتھ اور بہت سے لگے ،اس وقت ہم جیسے بھی رہے ؛لیکن بہر حال چلتے چلتے پیچھے ہو گئے ، پیچھے رہ گئے ،یا پیچھے کر دئے گئے ؛ جو بھی صورت ہو؛ لیکن مولانا تھے جو جارہے ہیں تو جارہے ہیں ،چل رہے ہیں تو چل رہے ہیں تو چل رہے ہیں اور آگے ،اور آگے ،اور آگے بڑھتے چلے گئے یہ مولاناؒ کا مقام تھا وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ،نیکیوں کے راستے میں ،دعوت وتبلیغ کی محنت میں ،قرآن فہمی میں ،قرآن کو سمجھانے میں ،قرآن

کی ہدایات کو بتانے میں آگے اور آگیچلتے چلے گئے۔

ہمیں سورہ بقرہ بھی یاد ہے اور کوثر بھی

بزرگان محترم! حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کا بھی تذکرہ ہوا آپ حضرات جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان کے بارے میں بھی آپ ضرور واقفیت رکھتے ہوں گے، لمبی لمبی تقریریں تین تین گھنٹے یا اس سے زیادہ، مولانا کیا کرتے تھے اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھتے تو پڑھتے چلے جاتے تھے، جنت کا ذکر آیا تو جنت کی آیتیں، جھنم کا ذکر آیا تو جھنم کے عذاب کی آیتیں، جتنی بھی آیتیں ہیں مسلسل پڑھتے چلے جارہے ہیں پڑھتے چلے جارہے ہیں۔ایسی تقریریں کرنے والے

مجھے خیال آیا کہ ایک مرتبہ کسی موقع پر ان سے گذارش کی گئی کہ حضرت! ذرا مختصر بولئے! آپ سوچئے کہ تین تین گھنٹے بولنے والے، کبھی کسی نے جرات نہیں کی کہ ذرا مختصر بولئے؛ لیکن کوئی موقع ایسا تھا، میں اس موقع سے حاضر تھا مولانا نے یہ تعلیم بھی بتاتا ہے کہ میں بھی جماعتوں میں جاتا تھا، میں بھی اجتماعات میں شریک ہوتا تھا بعض حضرات کی خوش گمانی ہیکہ یہ بالکل جماعت سے الگ ہے۔

حضرت سے انہوں نے جو کہا تھا حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کے فرزندارجمند مولانا یونس صاحب پالن پوری صاحب سے ایک مرتبہ پوچھ لیا: کیا یہ واقعہ آپ کو یاد ہے، انہوں نے کہا ہاں میں بھی اس مجلس میں تھا والد صاحب سے ایسا کہا والد صاحب نے اس مجلس میں جب ان سے گذارش کی گئی کہ حضرت مختصر بولئے تو کرسی پر بیٹھے اور کرسی پر بیٹھ کر یہ جملہ ارشاد فرمایا: ’’وہ یہ

تھا کہ ہمیں سورۃ بقرہ بھی یاد ہے اور سورہ کوثر بھی یاد ہے'' کچھ لطف آیا اس جملے کا؟

تبلیغ والوں کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہت سیدھے سادھے ہوتے ہیں، بھولے بھالے ہوتے ہیں، لطافتیں نزاکتیں ہیں چیزوں سے دلچسپی دیکھے حضرت کا جملہ سورہ بقرہ بھی یاد ہے اور سورہ کوثر بھی یاد ہے، ہم جیسے طلبہ کو ایسا لطف آیا، ایسا نشاط پیدا ہوا دل ودماغ میں کہ اسے ہم آج تک اسے بھول نہیں سکے،

کیا مطلب تھا؟ مطلب تھا کہ ہم لمبی تقریر بھی کرتے ہیں، کر سکتے ہیں اور مختصر تقریر کرنے کی بھی ہم کو سکت ہے، کمال ہے اس کے لیے سورہ کوثر اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَر اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ

بڑی بڑی جماعت

حضرت مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ مرکز میں رہتے تھے لیکن اس سے پہلے جماعتوں میں نکلتے تھے اور جماعتیں ان کی کتنی؟ سو سو ساتھی رہتے تھے، ڈیڑھ ڈیڑھ سو ساتھی رہتے تھے کسی کو اجازت نہیں تھی اتنی بڑی جماعتوں کو لے کر چلنے کی، اور مولانا عمر صاحبؒ اس سے مستثنیٰ تھے، ان کے ساتھ سو سو افراد چلتے تھے ہم نے دیکھا اتنی بڑی جماعت کس کے ساتھ؟ عمر صاحب پالن پوریؒ کے ساتھ ہے۔

بزرگان محترم! حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمۃ اللہ لگے تو لگ گئے، جڑے تو جڑ گئے جم گئے تو جم گئے اور ادھر ادھر نہیں دیکھا جو دعوت وتبلیغ کی محنت ہے، عظیم الشان محنت جس کے ساتھ اللہ کی خصوصی مددیں اور نصرتیں ہیں، وہ محنت جس سے آپ لوگ لگے ہوئے ہیں۔

تبلیغی جماعت پر اللہ کی خصوصی مدد

میں کہا کرتا ہوں کہ ایک چھوٹی سی انجمن جس میں گیارہ اراکین یا سترہ اراکین ہوتے ہیں، جن کے اغراض اچھے ہیں مقاصد اچھے ہیں؛ لیکن ان افراد کی مجلس بیٹھتی ہے مشورے کے لیے تو ہزار اختلافات، ہزار جھگڑے، ہزار لڑائیاں، غصہ، ہنگامے، یہ سب ہوتے ہیں (حبیب صاحب معلوم ہے آپ کو؟) یہ ہوتا رہتا ہے؛ لیکن یہ اتنا بڑا پھیلا ہوا وسیع ترین کام جو ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، چل رہا ہے تو چل رہا ہے، کیسے چل رہا ہے؟ اللہ کی خصوصی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا، اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات آپس میں ہوگئی تو ہوگئی یہ فطری چیز ہے اس کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ان کو سوچیے تو روز جھگڑے ہوتے ہیں روز لڑتے ہیں ہر مجلس میں لڑتے ہیں اور اختلافات ہیں، صدر سے اختلاف، سکریٹری سے اختلاف، ٹریسر سے اختلاف، پندرہ آدمی بیٹھے ہیں اور اختلافات اتنے سارے!

لاکھوں کروڑوں انسانوں کی یہ جماعت کام کر رہی ہے تو کرتی چلی جارہی ہے، کبھی اوپر اٹھ کر دیکھنے کی ہم کو سکت ہو، اور فضا میں بلند ہو ہم، نگاہیں بلند ہوں اور دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ دنیا کے کونے کونے سے لوگ جارہے ہیں اور جماعتیں نکل رہی ہیں اور ان کے کندھوں پر ان کا سامان ہے اللہ کی راہ میں روانہ ہورہے ہیں، وہاں بھی نظر آرہے ہیں، یہاں بھی نظر آرہے ہیں اس کونے میں بھی نظر آرہے ہیں، اس گوشے میں بھی نظر آرہے ہیں، پوری دنیا میں یہ کام ہورہا ہے، تو مخلصین کے ذریعے سے یہ کام ہے اور اللہ کی مدد سے یہ کام ہورہا ہے۔

وفمنهم سابق بالخيرات باذن الله

یہ کام بزرگوں سے شروع ہوا اور ایسے ہی مخلصین کے ذریعے سے بڑھتا ہی چلا گیا، پھیلتا چلا گیا، اور کس کس طرح امت کی اصلاح ہوئی؟ امت کے جذبات کی اصلاح ہوئی؟ ایمانیات کی جو قوت ہے وہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا گیا، اللہ سے ہوتا ہے، غیر اللہ سے کچھ نہیں ہوتا یہ جذبہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا گیا، سب بزرگوں کے مساعی ہیں، کوششیں ہیں جدوجہد ہے۔

اس زمانے کی دور کی جماعت

بزرگان محترم!

حضرت مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ جن کو ہم نے دیکھا ہے آپ حضرات نے دیکھا کہ نہیں دیکھا؟ نہیں معلوم! دیکھنے والے ہوں گے ان کے بیانات سنے ان کی تقریریں سنی، الہامی تقریریں، وہبی تقریریں، خود بخود اترتے رہتے تھے مضامین، آتے ہیں مضامین غیب سے، آتے تھے، بیٹھے تو بیٹھے رہے، چل رہا ہے تو چل رہا ہے۔

فجر کی نماز کے بعد نظام الدین میں مخصوص لوگوں کو حضرت جی اپنی نشست میں بلاتے، چائے پلاتے، حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ اس کا انتظام فرماتے، مہمانوں کو چائے دیا کرتے، وہ چائے عطا فرماتے تھے، اس مجلس میں جو بیان شروع ہوتا حضرت جی رحمہ اللہ کا، مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کی گفتگو شروع ہوتی، ان کے سامنے بھی چائے رکھی جاتی اور بیان ہے کہ جاری ہے، جاری ہے، وہ پیالی ٹھنڈی ہوگئی، اس کو اٹھا دیا گیا دوسری رکھی گئی وہ بھی ٹھنڈی ہوگئی، بالکل بے خبر ہو کر اللہ کے نام پر جو بیان فرماتے، ہم لوگ بھی گئے تھے، ہم لوگ بھی

گئے تھے

محترم!

آپ لوگوں کو یقین نہیں آتا! یقین نہیں آتا! آپ لوگ سمجھ رہے ہیں، ہم بالکل الگ ہیں حالاں کہ ہماری بنیاد میں رکھ دیا گیا ہے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کے طرز تبلیغ پر طلبہ کی تربیت۔

حضرت جی بلاتے تھے، کیا کہہ کر بلاتے تھے؟ وہ جو سب سے دور سے آئی ہے جماعت، ان ساتھیوں کو بلاؤ! سامنے بلاتے تھے، سب سے دور اس وقت مدراس تھا، مدراس کی جماعت گویا نظام الدین کے لیے سب سے دور سے آنے والی جماعت تھی، آج تو امریکہ ہے، آسٹریلیا ہے، اور لندن ہے اور پوری دنیا ہے اس وقت ہماری جماعت سب سے دور سے آنے والی تھی۔

انسانی قیمت اندر کی مایہ سے بڑھتی ہے

۱۹۶۴ء کی بات عرض کر رہا ہوں خواب وخیال کی باتیں نہیں ہیں، واقعات ہیں! میں ایک واقعہ آپ حضرات کے سامنے امانت سمجھ کر حضرت مولانا یوسفؒ کا ایک جملہ نقل کر دینا چاہتا ہوں۔

مدراس کے نیو کالج میں اجتماع ہو رہا تھا، گویا اس زمانے کا بڑا اجتماع تھا، تمام بڑے بڑے علما بھی تھے، انگریزی پڑھے لکھے پروفیسر لکچرار، مولانا عبدالوہاب بخاری کالج کے فلاں وفلاں بھی تھے اور اس زمانے کے صاحب ثروت حضرات بھی تھے، آج کی طرح دولت اتنی زیادہ بہتی نہیں تھی اس وقت، گنے چنے مالدار ہوتے تھے، بنگلور کا یہی حال تھا گن کر بتا سکتے تھے کہ فلاں صاحب مالدار ہیں، فلاں وفلاں۔

اب تو ہر شخص مالدار ہے، پیسہ خوب بہہ رہا ہے،اس زمانے میں، کاروں کا قصہ ایسا تھا کہ بڑے بڑے لکھ پتی، چمڑے کے تاجر،ان میں سے کسی کے پاس کار ہوتی، کسی کسی کے پاس ہوتی۔ورنہ تو کسی کے پاس کوئی سواری نہیں رہتی تھی۔

اس مجلس میں حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ خطاب فرماتے رہے،مولانا رحمانی نے کہا کہ میرے دل پر نقش ہے، یہ بھی میرے دل پر نقش ہے ، مجھے یاد ہے درمیان میں بہت جوش سے فرمایا کہ انسان باہر کی چیزوں سے اپنی قیمت بڑھانا چاہتا ہے،اپنی قدرو قیمت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے باہر کی چیزوں سے ،روپے سے، پیسے سے، چیزوں سے، بنگلے سے، کھوٹی سے، کارخانوں سے، کار سے اپنی قیمت بڑھانا چاہتا ہے۔

فرمایا: ’’باہر کی چیزوں سے انسان کی قیمت نہیں بڑھتی ،انسان کی قیمت اندر کی مایہ سے بڑھتی ہے‘‘

یہ لفظ حضرت جی کا ہے مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ کا ،اندر کی مایہ سے انسان کی قیمت بڑھتی ہے باہر کی چیزوں سے نہیں بڑھتی اور پھر جوش سے فرمایا: ’’جس کار کی قیمت تیرا ہاتھ لگتے ہی آدھی ہو جاتی ہے اس کار سے تیری قیمت کیسے بڑھے گی؟‘‘

کار سے قیمت نہیں بڑھتی، باہر کی چیزوں سے انسان کی قیمت نہیں بڑھتی اندر کی مایہ سے بڑھتی ہے؛ اس لیے اپنے اندر کی مایہ کو بڑھانے کی فکر کرو، اندر کی دولت بڑھاؤ، باہر کی دولت سے کچھ نہیں ہوتا۔

بزرگان محترم!

حضرات اکابرِ تبلیغ ایسی ہی حکمت کی باتوں کے ذریعے سے انہوں نے لوگوں

کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کیا، تبدیلی پیدا کی، سوچ میں تبدیلی پیدا کی، دل کے جذبات کو صحیح کیا۔ جو ذمائم تھے، رزائل تھے، بیماریاں تھیں، امراض تھے دلوں کے اندر، اس کو نکالا، اور خوبیاں پیدا کیں، اچھائیاں پیدا کیں، محامد پیدا کیے، یہ سب کام دعوت و تبلیغ کی محنت سے ہوا۔

حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں آپ حضرات نے سنا، ان کی خوبیاں، ان کے کمالات، ان کے اوصاف، میں نے عرض کیا کہ ابتدا میں ہم بھی تھے شروع میں ہم بھی لگے رہے، لیکن سب آگے اور آگے نہیں بڑھتے، کچھ لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ان میں سے ہمارا بھی شمار کر لیجئے!

مِنهُم ظَالِمٌ لِّنَفسِه

وَمِنهُم مُّقتَصِدٌ

وَمِنهُم سَابِق بِالخَيرٰتِ بِاِذنِ اللّٰهِ

اللہ کی مرضی سے آگے اور آگے اور آگے بڑھتے چلے جانے والے، کچھ اللہ کے نیک بندے ہیں فکر امت کا لحاظ رکھتے ہیں، خیال رکھتے ہیں، وراثت کو دوسروں تک پہونچانے کی فکر کرتے ہیں۔

مؤاخذہ آنسو پر نہیں زبان پر ہے

بزرگان محترم!

حضرات علما نے کئی شعبوں کو زندگی بخشی ہے یہ شعبہ بہر حال بہت مشکل، مجاہدوں والا شعبہ، اس میں اپنے آپ کو مٹا دینے کا جذبہ حضرت مولانا قاسم قریشی صاحب رحمہ اللہ نے اس طرح اپنے آپ کو قربان کر دیا اور مسلسل لگے رہے اور

چلتے رہے، اور اللہ نے ان کو وہ اونچا مقام دیا کہ جب انہوں نے پردہ فرمایا اس دنیا سے، تو پورے علاقے میں رنج وملال اور حزن وغم کی چادر پھیل گئی اور ہر ایک غمگین ہوگیا، ہر ایک آنکھوں سے آنسو بہانے لگا، ہر ایک نے درد محسوس کیا فکر محسوس کی ،اور شریعت اس سے منع نہیں کرتی، رنج کے اظہار سے، غم کے اظہار سے اور اپنے رنج کو ظاہر کرنے سے اسلام نے منع نہیں کیا، رونا بھی صحیح، غم بھی صحیح؛ البتہ حدود سے آگے بڑھنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔

رسول اللہ ﷺ کی صاحب زادی کا انتقال ہوا، منبر پر بیٹھے ہیں رسول اللہ ﷺ، تدفین کا عمل ہے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں صحابی نے دیکھا اور عرض کیا حضور! آپ بھی؟ **وانت یا رسول الله** ؟ یعنی آپ تو صبر وضبط کا پہاڑ ہیں۔ کتنی چیزیں آپ نے برداشت کی ہیں، کیسے کیسے حالات سے آپ گذرے ہیں؛ لیکن اس وقت آپ کے آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں؟ فرمایا: **ان هذه رحمة جعلها في قلوب عباده**، میاں! یہ رحمت کے آنسو ہیں، اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں یہ رحمت اور ہمدردی اور تعلق پیدا کرتا ہے اس کی وجہ سے یہ آنسو ہیں۔

آنسو پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور رنج پر کوئی گرفت نہیں؛ البتہ زبان پر گرفت ہوگی اگر کوئی غلط بات کہی، اس نے کوئی شکایتی جملہ کہا اس نے، تو اس پر پکڑ ہوگی، دل غمگین ہے، آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، کوئی گرفت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **القلب يحزن والعين تدمع ولانقول الا مايرضى ربنا**، ہمارے دل غمگین ہیں، ہماری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں

لیکن ہم اپنی زبان سے ایسا کوئی جملہ نہیں کہیں گے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو، غم کی شدت میں بعض اوقات شکایتی جملے نکل جاتے ہیں لوگوں کی زبانوں سے، اس کا احساس ان کو نہیں ہوتا بچی کا انتقال ہو گیا تو باپ نے کہا اللہ کو میری ہی بچی نظر آئی؟ یہ شکایتی جملہ ہے، اس کی اجازت نہیں ہے، غم ہو، رنج ہو، آنسو بہہ جائیں، کوئی حرج نہیں۔

نمونۂ عمل

بزرگان محترم! جیسا کہ پیش رو فاضل مقرر نے کہا ہم اس کا تذکرہ اس لیے کریں تاکہ ہم بھی اس راستے پر چلیں، وہ خوبیاں جو چھوڑ کر گئے ہیں ان خوبیوں کو اپنے اندر بھی پیدا کریں، دین کے لیے، اسلام کے لیے، قرآن کے لیے، حدیث کے لیے، شریعت کے لیے ہم اپنے آپ کو وقف کریں، اور وہ ساری قربانیاں پیش کریں جس سے ہمارا دین سر بلند ہو، اسلام سر بلند ہو، اور قرآن کی حفاظت ہو، حدیث کی حفاظت ہو، احکام شریعت کی حفاظت ہو یہ کام ہم کو کرتے رہنا چاہیے۔

کلمات شکریہ

ہمارے عزیز دوست جناب صادق صاحب جو سوسائٹی کے صدر ہیں انہوں نے آکر مجھ سے کہا ہم ایک جلسہ کرنا چاہتے ہیں، میں نے کہا ضرور کیجیے؛ لیکن اس میں آپ کو آنا ہے اور میں نے اپنی کمزوری اپنا ناکارہ پن ظاہر کیا، تو میں کیا کہوں گا ان بزرگوں کے سلسلے میں؟ ان لوگوں نے کہا کہ آنا ہے، اللہ کا فضل ہوا، مولانا قاسمی بھی تھے، مولانا رحمانی بھی تھے، انہوں نے حضرت مرحوم کے بارے میں بہت اچھے انداز میں خوبیاں ذکر فرمائی، ان کے کمالات کا تذکرہ فرمایا اور ہم سب

نے اس سے فائدہ اٹھایا اللہ مجھے، آپ کو، ہم سب کو دین کی خدمت میں لگنے کی اور اس کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے، اور حضرت مرحوم کے خدمات کو شرف قبول عطا فرمائے، ان کے پس ماندگاں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اور ہم کو ان کے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے، اور میں شکریہ ادا کرتا ہوں ان صاحب کا جنہوں نے مجھ طالب علم کو یہاں حاضری کا حکم دیا اور کچھ بولنے کا موقع دیا، آپ حضرات کا بھی ممنون ہوں میری اس طالب علمانہ سمع خراشی کو برداشت فرمایا، اللہ تبارک وتعالی کی حمد وثنا کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دربار عالی میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرنے کی دوبارہ سعادت حاصل کرتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

باب چہارم

منظوم اظہار تعزیت

ایسا قاسم کب ملے گا پھر یہاں تیرے بغیر

پیشکش: محمد تنویر شمس

آج کتنا ہے پریشان یہ جہاں تیرے بغیر
بے سہارا ہے یہ تیرا کارواں تیرے بغیر

دین کے سارے مجالس تجھ سے ہی آباد تھے
مجلسیں ویران ہیں سارے اب یہاں تیرے بغیر

تیرے ہی دم سے اے قاسم تھی گلستان میں بہار
دیکھتا ہوں اب بہاروں میں خزاں تیرے بغیر

تیری باتوں سے بدل جاتی تھی لوگوں کی حیات
ایسی باتیں محفلوں میں اب کہاں تیرے بغیر

تیرے ہی دم سے اے قاسم تھی گلستان میں بہار
دیکھتا ہوں اب بہاروں میں خزاں تیرے بغیر

تیری باتوں سے بدل جاتی تھی لوگوں کی حیات
ایسی باتیں محفلوں میں اب کہاں تیرے بغیر

ہر طرف افسردگی ہے تیرے جانے کے سبب
اجڑا اجڑا ہر طرف کا ہے سماں تیرے بغیر
منفرد تھا پر اثر تھا خوب تھا لہجہ ترا
ڈھونڈنے جائیں کہاں تیری زباں تیرے بغیر
یوسف والیاس کے تو باغ کا تھا باغباں
ایسا ہی کوئی ،ملے پھر باغباں تیرے بغیر
دین کی خدمت میں ہی تو نے گزاری زندگی
ایسی خدمت اور خادم اب کہاں تیرے بغیر
تو ''دیا'' تبلیغ کا تھا تیرے بجھ جانے سے اب
ہر طرف ہے اب یہاں تاریکیاں تیرے بغیر
جیسا تیرانام تھا ویسا ہی تیرا کام بھی
ایسا قاسم کب ملے گا پھر یہاں تیرے بغیر
بات بھی تھی پر اثر تقریر میں بھی چاشنی
شمس اب کیسے سنے گا وہ بیاں تیرے بغیر

مرثیہ

پیشکش: واٹس اپ پر کسی نے ریکارڈنگ بھیجی تھی جس میں نہ تخلص تھا اور نہ نام ،اسی کو ٹائپ کر کے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

حمد کرتا ہوں اے خدا تیری نذر
نہیں ہے میرے لیے تیرے سوا کوئی در
لکھ رہا ہوں یہ اشعار مختصر
قاسم قریشی مولانا کی موت پر
اے خدا دے ان کو بڑا اجر
دعا ہے میری یہ با اثر
پھیل گئی جب ان کی وفات کی خبر
جمع ہو گئے سب اہل فکر
تھی نماز جنازہ شہر تھا شیواجی نگر
ٹھیک آٹھ بجے صبح کے وقت پر
لوگ آرہے تھے پورے صوبے سے ادھر
سن چکے تھے جو آپ کی وفات کی خبر
انتقال ہوا ان کا بروز ہفتہ بعد عصر
عمر تھی (۷۲) بہتر پھر باندھا اپنا رخت سفر
وہ تھے دین وشریعت کے مبلغ ورہبر
جچتا تھا ان کو یہ منصب وزیور

تھے وہ ایک کامل دین کے راہی ورہبر
پھیلادیا جس نے دین شاہی کا شجر
خدا نے ان کو ایسا بنایاتھا بشر
جو رکھتے تھے سینے میں درد کا جگر
جب بھی آتا تبلیغ کا تقاضائے سفر
نہیں کرتے تھے اس میں کوئی عذر
دیاتھا خدا نے انھیں ایسا پاور
علالت کے باوجود کرتے رہتے سفر
خدا نے ان کو ایسا بنایاتھا محور
خلق خدا کے تھے وہ بانی و سرور
جب بھی آتی ان پر مصیبت کی لہر
شکوہ نہ کرتے کبھی سہتے رہتے ضرر
گناہگاروں پہ جب پڑتی ان کی نظر
راتوں کو کرتے تھے اٹھ کے فکر
کلمے کی محنت میں نکلتے جدھر
تبدیلی آجاتی اکثرادھر
بیانات تھے ان کے ایسے روح پرور
سماعت سے دل پگھل جاتے تھے اکثر
وعظوں میں ان کا ایسا تھا سحر
اٹھتے تھے لوگ لے کر اثر

تھی دعا میں وہ آہ وزاری پر اثر
گرتے جاتے تھے آنسو اور چہرہ تر بتر
گذر رہی تھی سادہ زندگی ان کی بسر
پھر چلے گیے وہ اپنے مولا کے گھر
کردے میرے مولا ان پر صرف نظر
امت کو دے پھر ایسا فرد بشر
تقوی تو تھا ساتھ ہی آپ کے زاد سفر
کیا ہو گا خدا نے ان کا نیک حشر
تھے راہ خدا میں ان کے دو بڑے پسر
چلے گیے تھے وہ جانب مصر
اپنے تو اپنے غیر بھی تھے حیران وششدر
کہ کو ن تھا یہاں ایسا بزرگ وبرتر
رخ زیبا تھا ایسا گویا کہ وہ انور
گفتگو ایسی تھی گویا کہ وہ اسحر
بٹھک جائیں ہم ڈھونڈھتے در بدر
پھر بھی نہ لاسکیں گے ایسا لعل وگہر
اے خدا دعا ہے میری شام وسحر
اہل خانہ کو دے ان کے عمدہ صبر

راہ خدا کا مرد مجاہد چلا گیا

حافظ سراج الدین متعلم دورۂ حدیث جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

راہ خدا کا مرد مجاہد چلا گیا
عزم وجلال میں تھا وہ خالد چلا گیا
روتی ہے اجتماع گاہ کہ داعی چلا گیا
دنیا سے رخ کو پھیر کر زاہد چلا گیا

آتے ہیں یاد اب بھی تیرے دل نشین بیان
روتے ہیں جن کو منبر ومحراب صبح وشام
لگتا ہے عندلیب گلستان چلا گیا
وہ سنت نبی کا ثنا خواں چلا گیا

تیرا وجود رونقِ مرکز تھا بو رشید
غمگین دل کے درد کا درمان تھا بو سعید
انسانیت کے درد کا درماں چلا گیا
تو کیا گیا دید کا سامان چلا گیا

پھرتا تھا صبح وشام وہ امت کی فکر میں
رہتا تھا وہ مدام اسی دعوت کی فکر میں
کرتا تھا اجتماع میں وہ امت کو جوڑ کر
اس میں فنا ہو اتھا وہ راحت کو چھوڑ کر

سینچا تھا جس کو خون سے اس نے تمام عمر

آج اس چمن کو چھوڑ کر ویران چلا گیا

جو گالیاں بھی سن کے دعا باربار دے
ایسے ولی پہ دوستو قربان جایئے
سمجھو نہیں کہ ایک مسلمان چلا گیا
رحمت تھا وہ ایک بندۂ رحمان چلا گیا

وہ داعیٔ کبیر قاسم تھا جس کا نام
دن ورات دین کی خدمت تھا جس کا کام
مغموم سب کو چھوڑ کر خندا ں چلا گیا
بندوں کو رب سے جوڑ کرفرحاں چلاگیا

کرتے تھے ناز اپنے بھی تیری حیات پر
حیران ہوئے تھے غیر بھی تیری ممات پر
انسانیت پہ کرکے وہ احسان چلا گیا
دین کا جہاں بسا کہ نگہبان چلا گیا

اولاد ان کے سارے ہیں مانند نجوم کے
رہتے ہیں ہر حال میں مانند شموس کے
امت کا وہ تھا راہ نما داعی چلا گیا
قسمت کا وہ ستارہ تھا قاسم چلا گیا

اللہ کا سنا کے وہ فرمان چلا گیا
اقوال ِ اولیاء وہ بتا کے چلا گیا
اس دور فتن میں تھا وہ اسلاف کا نشان
امت کی فکر میں تھا وہ رفعت کا آسماں

آج دنیا کی وہ رونق اور بہجت کیا ہوئی

مولانا ریاض صاحب ،امام وخطیب مرکز سلطان شاہ بنگلور نے کسی اور کے اشعار کوتعزیت کے لئے مناسب ہونے کی وجہ سے ایک مجلس میں اپنی مترنم آواز سے سامعین کومحظوظ کیا

کیا ہوا؟ اندھیرا کیوں چھایا ہوا ہے ہر طرف
آج دنیا کی وہ رونق اور بہجت کیا ہو ئی

کیوں نظر آتا ہے ہر انسان آج افسردہ دل
سب کے چہرے کی خوشی سب کی مسرت کیا ہوئی

شمع کیوں آنسو بہاتی ہے یہ اس کو کیا ہوا
اس کے چہرے کی دمک اس کی اضائت کیا ہوئی

کیوں پڑی جاتی ہے دھیمی آج سورج کی چمک
اس کی تیزی اس کی حدت ،اور تمازت کیا ہوئی

بلبلیں جادو بیان خاموش کیوں بیٹھی ہیں آج
کیا ہوا اس کا ترنم اس کی چاہت کیا ہو ئی

سوچتا تھا میں ،ہوا احساس دل کو دفعۃ
سارا عالم مرگیا حضرت کی رحلت کیا ہو ئی

ہائے وہ علم نبوت کا محافظ کیا ہوا
وہ مبلغ کیا ہو ا تصویر حکمت کیا ہو ئی

آج دنیا کی وہ رونق اور بہجت کیا ہو ئی

حجامہ شریعت کی نظرمیں

اس رسالے میں حجامہ کے فضائل، فوائد، ضرورت، امراض، مقامات، ایام، اجرت اور دیگر ضروری مسائل پر احادیث کی روشنی میں مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے۔

اس طرح یہ وقیع سا رسالہ اپنے اندر حجامے سے متعلق مختلف مضامین کو احاطہ کیے ہوئے؛ نیز اکابرین امت نے اس پر اپنی قیمتی تقاریظ بھی سپرد فرمائی ہیں، جو اس کے مستند ہونے پر ایک مضبوط دلیل ہیں۔

اسمائے حسنی سے روحانی و جسمانی علاج

اس رسالے میں مؤلفِ کتاب نے اسمائے حسنیٰ سے انسان پر پیش آنے والی روحانی، جسمانی، معاشی اور اسی طرح کی دیگر پریشانیوں کا حل وعلاج پیش فرمایا ہے؛ نیز ان کے فوائد پر بھی بڑی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

مؤلف کی دیگر قیمتی کتب عن قریب منظرِ عام پر

عمامہ کی شرعی حیثیت

مؤلف ایک اور کتاب بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے، جس میں عمامہ (پگڑی، دستار) سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے: عمامے کی تاریخ اور عمر، تاج اور عمامے کا فرق، عمامے کی احادیث اور سلف کے اقوال، عمامے کی مقدار، لمبائی، شملے کی تعداد اور سائز، فرشتوں کی پگڑیاں، رنگین عمامے، کفن کا عمامہ، نماز کا عمامہ، عیدین کا عمامہ، سفر کا عمامہ، مدرسے کا عمامہ وغیرہ سے متعلق احادیث اور فقہ کی روشنی میں کلام کیا گیا ہے۔

میڈیکل کے جدید مسائل (ملخصاً)

اس کتاب میں میڈیکل سائنس سے متعلق احکام، خواتین کے لیے علاج معالجہ اور پاکی ناپاکی کے ضروری مسائل، مریض ومعالج کے بارے میں اہم شرعی ہدایات بڑے ہی اختصار کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ یہ ایک ایسا جدید مجموعہ ہے کہ جس کا مطالعہ ہر
مسلمان مرد وعورت کے لیے بالعموم اور معالجین، ڈاکٹر وحکیم حضرات کے لیے بالخصوص بہت ہی ضروری اور نافع ہے۔

چٹ فنڈ یا چٹھی کے اسلامی احکام

چٹ فنڈ کیا ہے؟ اُس کی حقیقت، طریقۂ کار، آداب، شرائط؛ نیز حرام وحلال چٹھیوں کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ مؤقر علمائے کرام کے فتاویٰ اوراس طرح کے اور اہم مباحث پر مشتمل مؤلف ہی کی ایک اور تالیف منظر عام پر آچکی ہے۔

جامعۃ القرآن ہرپن ہلی ضلع داونگرہ

سرپرست: فقیہ العصر:۔حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم مسیح العلوم بنگلور، خلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ

بانی ومہتمم: حضرت مولانا مفتی عزیر احمد صاحب مفتاحی قاسمی

مدرسہ جامعۃ القرن، ہرپن ہلی ضلع داونگرہ، کرناٹک کا مشہور ومعروف ایک دینی ادارہ ہے، **الحمداللہ**۔ دارالعلوم دیوبند اوران سے منسلک مدرسون کے طرز پر قائم یہ ادارہ یوم تاسیس سے اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کی حفاظت اور دینِ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہے۔ جامعہ میں مقامی وبیرونی طلباء قیام وطعام کے ساتھ زیرِ تعلیم ہیں ہرسال طلباء کی تعداد بڑھتی رہتی ہے۔ جس میں اکثر غریب، یتیم اور مسکین ہیں۔ جن کی ہر طرح کی کفالت (یعنی کتابوں، کپڑوں اور علاج ودیگر ضروریات کی سہولت) جامعہ ہی کرتا ہے۔ جامعہ کا سالانہ خرچ تقریباً 8 لاکھ روپئے ہے۔

جامعہ ایک نظرمیں{1} تعداد طلباء: **50** {2} تعداد اساتذہ وملازمین **6** {3} کل شعبہء جات: **3**۔ عصری تعلیم کا معیاری نظم۔

جامعہ کی خدمات:۔ (۱) **مدرسہ جامعۃ القرن** (۲) صباحی ومسائی مکاتب: **10** (۳) مدرسہ اصلاح البنات برائے نسوان (غیراقامتی) (۴) سمّر کیمپ کا نظام برائے اطفال (۶) سمّر کیمپ کا نظام برائے نسوان (بالغ ونابالغ)

جامعہ کے عزائم:۔ طلبا کیلئے کھانے کا ہال و مطبخ، طلباء کیلئے دارالاقامہ، اور کتب خانہ، کمپیوٹرس، اور درسگاہیں اور جامعہ کے زیرِ نگرانی میں اسلامی نہج پر اسکول، کالج، یتیم خانہ، اور غریبوں کیلئے دواخانہ، اور اساتذہ وملازمین کیلئے رہائش گاہ اور مہمان خانہ، بنانے کا عزم ہے۔

اب شدید تقاضے کی بناپر اوراسی طرح طلباء کی تعداد زیادہ ہونے پر مسجد اور احاطہء مسجد کی

موجودہ عمارت ناکافی ہونے کی وجہ سے جامعہ کیلئے آدھی ایکڑ سے زیادہ زمین ایک صاحبِ خیر نے وقف کی ہے جس میں تعمیری کام کی شروعات کی گئی ہے۔

جامعہ کی عمارت میں حصّہ لینے کی ترتیب :۔ مدرسہ کی مسجد کا ایک مصلّٰی مع تعمیر 6000/ ۔مدرسہ کا ایک اسکوائر فٹ مع تعمیر -/3000 ۔مسجد کا ایک اسکوائر فٹ مع تعمیر -/2500 ۔زمینی ایک مصلّٰی -/1500 ۔زمینی ایک اسکوائر فٹ -/1000 ۔

لھذا :۔ برادرانِ اسلام سے گزارش کی جاتی ہے کہ اپنی طرف سے یا اپنے والدین یا رشتہ داروں کے طرف سے، یا اپنے مرحومین والدین یا اپنے رشتہ داروں کے طرف سے ایصالِ ثواب کی نیّت سے اس میں حصّہ لیں یا حصّہ لینے والوں کو ترغیب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اوراسی طرح آپ اہلِ خیر حضرات سے گزارش ہے کہ کسی طالبِ علم کی فیس اپنے ذمہ لے کر ، ماہانہ یا سالانہ چندہ عنایت کرکے یا اسی طرح صدقہ، زکوۃ، چرمِ قربانی، تعمیری اشیاء اور دیگر عطایات سے ادارہ کا بھرپور تعاون فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

جزاکم اللہ خیرا

طالب دعا: عزیر احمد قاسمی